ماہنامہ

برجستہ

چیف ایڈیٹر
غلام حیدر شیخ

لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ONLINE EDITION
VOLUME: 4| ISSUE 45 | OCTOBER 2025

شہید حکیم سعید بحیثیت طبیب

افغانستان میں رومانوی شاعری پر پابندی

استنبول میں چغتائی آرٹ ایوارڈز کی تقریب

ٹرمپ کا نیا محاذ:
چین اور مسلم دُنیا

RISE
MALL & RESIDENCIA
STUDIO / 1 BED / 2 BED
LUXURY APARTMENS
COMMERCIAL SHOPS
AVAILABLE ON INSTALLMENTS
TALLEST BUILDING OF AL-KABIR TOWN & RAIWIND ROAD

ماہنامہ
برجستہ
چیف ایڈیٹر
غلام حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

سرورق		فرنٹ
اشتہار		صفحہ 2
فہرست		صفحہ 3
اِداریہ		صفحہ 4
قلم و کالم نگار	ٹرمپ کا نیا محاذ چین اور مسلم دُنیا	صفحہ 5-6
	عرفان صدیقی صاحب کا موازنہ اور میرا تجسّس	صفحہ 7
	ٹرمپ لاابالی ہے کہ غیر معمولی حکمتِ عملی کا حامل؟	صفحہ 8
کالم و مضامین	غیروں کے مقاصد کا نگہدار نہ بن	صفحہ 9-10
	شہید حکیم محمد سعید بحیثیت طبیب	صفحہ 11-12
	افغانستان میں رومانوی شاعری پر پابندی	صفحہ 13
فیچر	ماحولیاتی آفات پر قرآنی نقطہ نظر	صفحہ 14
ایک حقیقت ایک افسانہ	گاؤں کی ننھی کلی	صفحہ 15
تھل کی آواز	سالانہ تاریخی میلہ بابا سیدن شاہ، علاقائی ثقافت کا آئینہ دار	صفحہ 16
ہمدرد رپورٹ	خواتین اور بچوں کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے	صفحہ 17
کویت ڈائری	سید قمر رضا، چیئرمین اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن (او پی ایف) کا حالیہ دورہ کویت	صفحہ 18
کویت ڈائری	کویت پاکستان فرینڈ شپ ایسوسی ایشن کے وفد کی وسطی امریکہ کے ممالک کی 204 ویں یوم آزادی کی منعقدہ تقریب	صفحہ 19
کویت ڈائری	کویت سفارتخانہ پاکستان میں عظیم الشان محفل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد	صفحہ 20
جدہ ڈائری	سعودی عرب کا قومی دِن، پاکستانیوں کا جوش و خروش	صفحہ 21
انقرہ ڈائری	پاکستان سفارتخانہ انقرہ میں عالمی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد	صفحہ 22
انقرہ ڈائری	چغتائی آرٹ ایوارڈز 2025ء کی انعام تقسیم کی تقریب کا استنبول میں انعقاد	صفحہ 23-24
یو کے (لیسٹر) ڈائری	نوٹنگھم میں ڈاکٹر نثار ترابی کیساتھ ایک یادگار شام کا انعقاد	صفحہ 25
پنجابی اَدب	سنجوتے مترو!	صفحہ 26
آئینۂ سخن	آئینہ سخن	صفحہ 27
ایک شاعر ایک تعارف	ساغر صدیقی مالی مشکلات اور دُنیاوی بے حسی کا شکار شاعر	صفحہ 28
طب و سائنس	تبدیلی موسم کے اثرات اور احتیاطیں	صفحہ 29
تفہیم دین	اسلام میں اِنسانی ہمدردی اور معاونت کا تصور	صفحہ 30
بچوں کی کہانیاں	گڑیا کا گڈو	صفحہ 31-32
کھیل اور کھلاڑی	محسن نقوی، عاقب جاوید، سلمان آغا، شکست کھلے دل سے تسلیم کریں	صفحہ 33
فلمی دُنیا	جان من ۔۔۔ دو من ۔۔۔ طنز مزاح	صفحہ 34
اشتہار		صفحہ 35
اشتہار		صفحہ 36

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں
+965-6600-6571 FOR KUWAIT
+92-322-5300-703 FOR PAKISTAN

ماہنامہ
برجستہ
چیف ایڈیٹر
غلام حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ہماری ٹیم

چیف ایڈیٹر: غلام حیدر شیخ

ایگزیکٹو ایڈیٹر: علی حیدر

ریزیڈنٹ ایڈیٹر جدہ: امیر محمد خان

ایڈیٹر یو اے ای: اویس حیدر

لیڈی ایڈیٹر یو۔کے: ڈاکٹر رابعہ حیدر

ایڈیٹر کویت: محمد عمر

فوٹوگرافر: ذوالقرنین حیدر

سرمایہ کاری کے معاہدے: باہمی مفاد یا دباؤ؟

وزیراعظم پاکستان کا یہ بیان کہ امریکہ سرمایہ کاری کے لیے تیار ہے اور معاہدے باہمی مفادات کی بنیاد پر ہوں گے، ملکی معیشت کے لیے ایک خوش آئند پیش رفت ہے۔ پاکستان اس وقت شدید معاشی بحران سے دوچار ہے، مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے، روپے کی قدر گرتی جا رہی ہے اور زرِمبادلہ کے ذخائر خطرناک حد تک کم ہیں۔ ایسے حالات میں اگر کوئی بڑی معیشت، خصوصاً امریکہ، پاکستان میں سرمایہ کاری کا عندیہ دے رہی ہے تو یہ امید کی ایک کرن ہے۔ تاہم اس پیش رفت کو محض خوش فہمی یا عارضی سہارا سمجھنے کے بجائے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آگے بڑھنا ہوگا تا کہ یہ مواقع دیرپا فوائد میں بدل سکیں۔ امریکہ دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے اور اس کی سرمایہ کاری دنیا بھر میں ترقی پذیر ممالک کے لیے ایک گیم چینجر ثابت ہوئی ہے۔ لیکن امریکی سرمایہ کاری ہمیشہ اپنے مخصوص سیاسی اور معاشی مفادات کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ واشنگٹن کے ساتھ تعلقات اکثر وقتی ضروریات پر مبنی رہے ہیں۔ کبھی سرد جنگ کے دوران پاکستان کو فرنٹ لائن اسٹیٹ بنا کر استعمال کیا گیا، کبھی افغان جنگ کے دوران۔ اور جب امریکی مقاصد پورے ہوئے تو پاکستان کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اس پس منظر میں ضروری ہے کہ موجودہ حکومت اس سرمایہ کاری کے معاملے کو محض وقتی سہولت نہ سمجھے بلکہ ایک طویل المدتی معاشی حکمتِ عملی کے تحت آگے بڑھائے تا کہ پاکستان کو مستقل فائدہ ہو اور ملکی خودمختاری متاثر نہ ہو۔

وزیراعظم کا یہ کہنا درست ہے کہ معاہدے باہمی مفادات کی بنیاد پر ہوں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان باہمی مفادات کی تعریف کون کرے گا؟ پاکستان کو اپنی معاشی ترجیحات واضح کرنی ہوں گی۔ ہمیں ایسے معاہدوں کی ضرورت ہے جو روزگار کے مواقع پیدا کریں، ٹیکنالوجی کی منتقلی کو یقینی بنائیں اور برآمدات میں اضافہ کریں۔ صرف قرضوں یا قلیل مدتی مالی معاونت پر انحصار پاکستان کو مزید کمزور کرے گا۔ امریکی سرمایہ کاری اگر توانائی، زراعت، آئی ٹی اور صنعتی شعبوں میں کی جاتی ہے تو اس سے معیشت کو دیرپا استحکام مل سکتا ہے، مگر اس کے لیے شفافیت اور اچھی حکمرانی ناگزیر ہے۔ پاکستان کو اس موقع پر اپنی جغرافیائی اہمیت کو بھی سمجھداری سے استعمال کرنا ہوگا۔ امریکہ خطے میں چین کے بڑھتے ہوئے اثرورسوخ کو کم کرنے کے لیے پاکستان کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ وہ توازن قائم رکھتے ہوئے امریکہ کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے، لیکن چین کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کو بھی متاثر نہ ہونے دے۔ دونوں عالمی طاقتوں کے درمیان محتاط سفارت کاری کے ذریعے پاکستان ایک پل کا کردار ادا کر سکتا ہے، بشرطیکہ ہماری خارجہ پالیسی کسی ایک طاقت کے دباؤ میں آ کر اپنی آزادی نہ کھو بیٹھے۔

پاکستان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ امریکی سرمایہ کاری کے ساتھ ساتھ اندرونی اصلاحات پر توجہ دے۔ کرپشن، بدعنوانی، ٹیکس چوری، اور توانائی کے شعبے کی خرابیاں سرمایہ کاری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔ اگر یہ مسائل حل نہ کیے گئے تو غیر ملکی سرمایہ کاری دیرپا فائدہ دینے کے بجائے محض وقتی ریلیف تک محدود رہ جائے گی۔ اسی طرح سیاسی استحکام بھی سرمایہ کاروں کے اعتماد کے لیے بنیادی شرط ہے۔ بار بار کی سیاسی کشمکش اور حکومتوں کی تبدیلی سرمایہ کاری کو خطرے میں ڈالتی ہے۔ اس وقت پاکستان کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ اپنے لیے ایک جامع معاشی وژن تیار کرے۔ امریکہ یا کسی بھی دوسرے ملک کی سرمایہ کاری کو اسی وقت کامیابی کہا جا سکتا ہے جب وہ ملکی معیشت کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی زندگیوں میں بہتری لائے۔ اگر سرمایہ کاری محض اشرافیہ کے مفادات تک محدود رہی تو عوام کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور اس کے نتیجے میں معاشرتی بے چینی مزید بڑھ سکتی ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ اس موقع کو سنجیدگی سے لے اور امریکہ کے ساتھ ایسے معاہدے کرے جو دونوں ممالک کے لیے پائیدار اور فائدہ مند ہوں۔ شفاف مذاکرات، قومی مفاد کا تحفظ، اور معیشت کو مضبوط بنانے کا عزم ہی پاکستان کو ایک مستحکم اور خودمختار ملک بنا سکتا ہے۔ یہ وقت وقتی ریلیف پر خوش ہونے کا نہیں بلکہ ایک مضبوط اور پائیدار بنیاد رکھنے کا ہے، تا کہ آنے والی نسلیں اس کے ثمرات حاصل کر سکیں۔

ٹرمپ کا نیا محاذ چین اور مسلم دُنیا

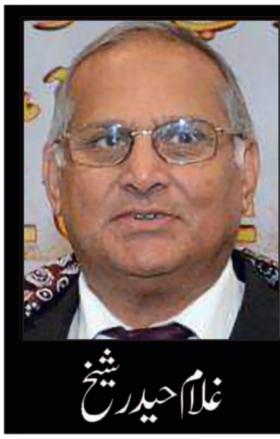

امریکہ کی عالمی سیاست ہمیشہ سے تضادات، مفادات اور دوہرے معیار کا مجموعہ رہی ہے۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے حالیہ بیانات نے ایک بار پھر اس حقیقت کو نمایاں کر دیا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی کا اصل مقصد دنیا بھر میں امن قائم کرنا نہیں بلکہ اپنی بالادستی کو برقرار رکھنا اور مسلم دنیا کو کمزور کرنا ہے۔ برطانیہ کے حالیہ دورے کے دوران ٹرمپ نے برطانوی وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات میں بڑے فخر سے کہا کہ امریکہ اور برطانیہ عالمی امن و استحکام کے لیے مل کر کردار ادا کریں گے۔ یہ وہی ٹرمپ ہیں جنھوں نے حال ہی میں اقوامِ متحدہ کی فلسطین میں جنگ بندی سے متعلق قرارداد کو ویٹو کیا، جس کے نتیجے میں نہتے فلسطینی عوام پر اسرائیلی جارحیت کو مزید ہوا ملی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو صدر فلسطینی بچوں اور عورتوں کے خون کو روکنے کے لیے ایک قرارداد تک منظور نہیں ہونے دیتا، وہ کس منہ سے امن و استحکام کی بات کرتا ہے؟ اس بیان سے ٹرمپ کی دوغلی شخصیت اور امریکہ کی مسلم مخالف پالیسی کھل کر سامنے آتی ہے۔

امریکہ کی تاریخ مسلم دنیا کے خلاف مسلسل جارحانہ اقدامات سے بھری پڑی ہے۔ افغانستان پر حملے سے لے کر عراق کی تباہی اور شام میں خانہ جنگی تک، ہر جگہ امریکی کردار کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ اب ٹرمپ کا افغانستان میں بگرام ایئربیس دوبارہ حاصل کرنے کا بیان ایک نئے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اس بیان پر برطانوی وزیر اعظم ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ ٹرمپ نے واضح طور پر کہا کہ امریکہ اس ایئربیس پر دوبارہ قبضہ اس لیے چاہتا ہے کیونکہ یہ اس مقام سے محض ایک گھنٹے کے فاصلے پر ہے جہاں چین اپنے جوہری ہتھیار تیار کرتا ہے۔ اس بیان سے ٹرمپ کے عزائم نہ صرف مسلم دنیا بلکہ ایشیا کے دیگر طاقتور ممالک کے لیے بھی واضح ہو گئے ہیں۔ امریکہ اپنی موجودگی کا جواز دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر پیش کرتا ہے، مگر اصل مقصد چین کے خلاف اپنی پوزیشن کو مضبوط کرنا اور خطے پر اپنی گرفت قائم رکھنا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کی پالیسیاں محض وقتی نہیں بلکہ عالمی بالادستی کے ایک وسیع منصوبے کا حصہ ہیں۔

رمپ کے بیانات میں مسلم دشمنی کا عنصر نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے ٹرمپ نے کہا کہ وہ برطانیہ کے وزیر اعظم کی رائے سے متفق نہیں جو فلسطین کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کرنے کے خواہاں ہیں۔ یہ رویہ نہ صرف فلسطینی عوام کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے بلکہ یہ ثابت کرتا ہے کہ امریکہ کبھی بھی مشرقِ وسطیٰ میں امن قائم نہیں کرنا چاہتا۔ امریکہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسرائیل کو مضبوط بنایا جائے اور مسلم ممالک کو تقسیم در تقسیم کیا جائے تاکہ وہ کبھی بھی متحد ہو کر اپنی آزادی اور خودمختاری کے لیے کھڑے نہ ہو سکیں۔ اس پالیسی کے تحت کبھی شام کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونکا گیا، کبھی لیبیا کو تباہ کیا گیا، اور کبھی ایران کو عالمی پابندیوں کے ذریعے تنہا کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس بدلتی ہوئی صورتحال میں چین کے لیے یہ موقع ہے کہ وہ افغانستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائے اور افغان حکومت کے ساتھ فوجی اور معاشی معاہدے کرے تاکہ امریکہ کو خطے میں قدم جمانے سے روکا جا سکے۔ اگر چین بروقت حکمتِ عملی اپنائے تو نہ صرف افغانستان کو ایک نئے امریکی قبضے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے بلکہ خطے میں طاقت کے توازن کو بھی امریکہ کے حق میں جھکنے سے بچایا جا سکتا ہے۔

ٹرمپ کے دورِ صدارت میں اسلاموفوبیا کی شدت میں مزید اضافہ ہوا۔ ان کے مسلم مخالف بیانات اور پالیسیوں نے یہ واضح کر دیا کہ امریکہ کے نزدیک

مسلمان محض ایک خطرہ ہیں، چاہے وہ کسی بھی ملک کے شہری ہوں۔ یاد رہے کہ ٹرمپ نے اپنے ابتدائی دورِ صدارت میں کئی مسلم ممالک کے شہریوں پر ویزہ پابندیاں عائد کیں، جنہیں دنیا بھر میں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ اب فلسطین کے مسئلے پر ان کا یہ واضح اور سخت مؤقف مسلم دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ امریکہ سے کسی خیر کی توقع رکھنا محض ایک خام خیالی ہے۔ ٹرمپ کے یہ اقدامات دراصل اسرائیل کو خوش کرنے اور اس کے عزائم کو تقویت دینے کے لیے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امریکی انتظامیہ نے ہمیشہ اسرائیل کے جارحانہ اقدامات کو نظر انداز کیا اور کبھی بھی اس کے خلاف کسی عملی اقدام پر غور نہیں کیا۔

چین کے خلاف ٹرمپ کی جارحانہ پالیسی بھی ایک بڑا خطرہ ہے۔ بگرام ایئربیس کے حوالے سے ان کا بیان اس بات کا اعلان ہے کہ امریکہ اپنی فوجی طاقت کو ایشیا میں مزید بڑھانا چاہتا ہے تاکہ چین کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو روکا جا سکے۔ اس کے نتیجے میں خطے میں نہ صرف طاقت کا توازن بگڑے گا بلکہ ایک نئی سرد جنگ کا آغاز ہوسکتا ہے، جس کے اثرات دنیا کے ہر کونے تک پہنچیں گے۔ مسلم ممالک کے لیے یہ ایک اور پریشانی کا باعث بنے گا کیونکہ وہ پہلے ہی امریکی پالیسیاں بھگت رہے ہیں اور اب انہیں ایک نئے محاذ پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

امریکہ اور برطانیہ کی اس شراکت داری کو صرف تجارتی معاہدوں تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔ ٹیکنالوجی کے شعبے میں تعاون بظاہر ترقی کے نام پر کیا جا رہا ہے، مگر درحقیقت یہ ایک اسٹریٹجک اتحاد ہے جس کا مقصد دنیا کے دیگر طاقتور ممالک، خصوصاً چین اور روس، کو محدود کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم دنیا کو کمزور رکھنا بھی اس پالیسی کا حصہ ہے تاکہ وہ عالمی منظرنامے پر کبھی بھی مؤثر کردار ادا نہ کر سکے۔ برطانیہ اگر واقعی امن قائم کرنا چاہتا ہے تو اسے امریکہ کی اندھی تقلید چھوڑنی ہوگی، ورنہ وہ بھی دنیا میں ہونے والی تباہی کا شریکِ جرم سمجھا جائے گا۔

اس تمام صورتحال میں مسلم ممالک کو اپنی پالیسیوں پر سنجیدگی سے نظرثانی کرنی چاہیے۔ انہیں یہ سمجھنا ہوگا کہ امریکہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا اتحاد یا تعاون عارضی فائدہ تو دے سکتا ہے مگر طویل المدتی نقصان بہت زیادہ ہوگا۔ فلسطین کا مسئلہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ امریکہ کبھی بھی انصاف کا ساتھ نہیں دے گا۔ اگر مسلم ممالک متحد نہ ہوئے تو امریکہ اور اس کے اتحادی خطے میں اپنی مرضی کے فیصلے کرتے رہیں گے اور مسلم دنیا ہمیشہ کمزور اور محکوم رہے گی۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹرمپ کے بیانات اور پالیسیاں دنیا کو ایک خطرناک راستے پر لے جا رہی ہیں۔ وہ امن کی بات کرتے ہیں مگر ان کے اقدامات جنگ کو جنم دیتے ہیں۔ فلسطین کے معصوم عوام کے لیے ان کے دل میں کوئی ہمدردی نہیں، بلکہ وہ اسرائیل کے مفادات کو ہر قیمت پر مقدم رکھتے ہیں۔ بگرام ایئربیس کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش دراصل ایک بڑے عالمی کھیل کا حصہ ہے، جس میں مسلم دنیا اور ایشیا کے دیگر ممالک کو قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا کے باشعور افراد اور ممالک اس دوہرے معیار کو پہچانیں اور امریکی پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کریں، ورنہ تاریخ ایک بار پھر خون اور تباہی کے ایسے مناظر دہرائے گی جن کے اثرات صدیوں تک محسوس کیے جائیں گے۔

عرفان صدیقی صاحب کا موازنہ اور میرا تجسس

سعید آسی

سینئر محترم عرفان صدیقی صاحب نے قومی اخبارات میں بیک وقت شائع ہونے والے اپنے قسط وار کالم میں اپنے مشاہدے کی بنیاد پر ڈنمارک کے نظام عدل، وہاں کی سپریم کورٹ کی کارکردگی بالخصوص ڈنمارک سپریم کورٹ کے موجودہ پاکستانی نژاد چیف جسٹس (صدر) محمد احسن صاحب سے اپنی ملاقات کے حوالے سے انصاف کی عملداری کے معاملات کا پاکستان کے نظام انصاف بالخصوص ہماری اعلیٰ عدلیہ کے فاضل ججوں میں درآئی سیاست کے تناظر میں موازنہ فرمایا ہے اور ان کے روبرو کچھ سنجیدہ سوالات بھی اٹھائے ہیں۔ قانون کے طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عام شہری کی حیثیت سے بھی مجھے چونکہ انصاف کی عملداری کے تقاضوں پر تجسس رہتا ہے اور میں ان سطور میں اپنے تحفظات کا اظہار بھی کرتا رہتا ہوں اس لیئے میں نے محترم عرفان صدیقی کے کالم کا اسی بنیاد پر باریک بینی سے مطالعہ کیا اور ان کے لکھے حرف حرف پر میرے دل میں یہی تاثر ابھرتا رہا کہ ”میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے“۔

بے شک ہماری عدل گستری انصاف کی مثالی عملداری کے تقاضوں سے کوسوں دور نظر آتی ہے اور "انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے" والی ضرب المثل پر ہی پورا نہیں اترتی بلکہ پسند، ناپسند اور من مرضی کے انصاف کی اپنی ہی قائم کی گئی "درخشاں" روایت کو بھی خوب تر انداز میں آگے بڑھا رہی ہے۔ کرپشن کلچر کی جڑیں تو پہلے ہی ہمارے عدل گستری کے بنیادی ستون کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ اب ہمارے بلیم گیم والے مستحکم ہوتے سیاسی کلچر نے ہماری عدل گستری کو بھی اپنے متاثرین میں شامل کر لیا ہے تو ہماری انصاف کی عملداری کو بھی "چار چاند" لگ گئے ہیں چنانچہ اپنی اپنی ممدوح سیاسی قیادتوں کی گھن گرج اب انصاف کے ایوانوں میں بھی سنائی دیتی ہے۔ اس تناظر میں عرفان صدیقی صاحب نے سپریم کورٹ اور ہائیکورٹوں کے مختلف فاضل ججوں کے طرز عمل اور طریق کار کی جو بھی مثالیں پیش کی ہیں اور ڈنمارک سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کے تقرر کے طریق کار سمیت وہاں انصاف کی عملداری کے جو جو رخ اور پہلو دکھائے ہیں وہ یقیناً ہمارے لیئے چشم کشا بھی ہیں اور لمحہ فکریہ بھی۔ انہوں نے ڈنمارک سپریم کورٹ کے پاکستانی نژاد چیف جسٹس کے طرز زندگی کا جو نقشہ کھینچا وہ پڑھ کر میرے دل میں خیالات کا کوندا لپکا کہ اگر یہی محترم محمد احسن سوئے اتفاق سے یا ہمارے "میرٹ" کے حاوی کلچر کے زور پر پاکستان کے چیف جسٹس کے منصبِ جلیلہ تک پہنچ جاتے تو کیا ان کا طرزِ بود و باش ڈنمارک والا ہی ہوتا اور کیا وہ پاکستان کے منصفِ اعلیٰ کی حیثیت سے انصاف کی عملداری کے اسی تصور کو پروان چڑھاتے اور اس کی حفاظت کرتے جو تصور محترم عرفان صدیقی کو ڈنمارک سپریم کورٹ کے دورے اور چیف جسٹس احسن صاحب سے ملاقات کے دوران نظر آیا ہے۔ گذشتہ دنوں پاکستان کے سابق چیف جسٹس شیخ ریاض احمد صاحب سے، جن کے ساتھ میری نیاز مندی چار دہائیوں سے زیادہ عرصے پر محیط ہے، میری طویل نشست ہوئی اور میں نے ان سے بھی اسی تجسس کا اظہار کیا کہ کیا ہم انصاف کی اس مثالی عملداری کی منزل پا سکتے ہیں جس کا نقشہ ہمیں عرفان صدیقی صاحب نے ڈنمارک کی سپریم کورٹ اور اس کے ججوں کے طریق انتخاب اور طرز زندگی کے حوالے سے کھینچ کر دکھایا ہے۔ محترم جسٹس شیخ ریاض احمد صاحب نے بغیر کسی تردد کے تبصرہ کیا کہ ہر ملک کا اپنا اپنا کلچر ہوتا ہے چنانچہ ہر ملک کا سسٹم اور ادارے اس کلچر کے ماتحت ہی کام کرتے ہیں۔ سو ہمارے اداروں بشمول عدل گستری میں بھی ہمارے ملک کے کلچر کا رنگ ہی چڑھے گا۔ اگر ڈنمارک میں میرٹ، بے لاگ انصاف اور پروٹوکول سے عاری سادہ بود و باش کے کلچر کی عملداری ہے تو یہ صرف عدل گستری میں نہیں بلکہ وہاں کے ہر ریاستی، انتظامی ادارے میں نظر آئے گی۔ اس لیئے ہم نے اپنے معاملات کا کسی دوسرے ملک کے معاملات کے ساتھ موازنہ کرنا ہے تو اپنے ملک کے کسی ایک پہلو کو فوکس کرنا مناسب نہیں۔

عرفان صدیقی صاحب کا کالم پڑھنے کے بعد مجھے بھی شدت کے ساتھ یہی احساس ہوا تھا کہ اپنی سہولت کے مطابق موازنہ صرف ایک ادارے کا کیوں کیا جائے۔ کیوں نہ لگے ہاتھوں اپنی پارلیمان، ایگزیکٹو، بیوروکریسی اور سیاستدانوں سمیت دوسرے تمام ریاستی انتظامی اداروں اور ان سے وابستہ شخصیات کے لچھنوں، ان کے اوڑھے ہوئے پروٹوکول کلچر اور ان شخصیات کے رعونت بھرے پُر تعیش طرزِ زندگی کا موازنہ بھی ڈنمارک کے ان شعبہ جاتی اداروں اور ان سے وابستہ شخصیات کے ساتھ کر لیا جائے۔ بے شک ہماری عدلیہ کا معاملہ تو کچھ ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے وضع کردہ کوڈ آف کنڈکٹ کی ہی پاسداری نہیں کرتی۔ آئین نے سپریم کورٹ کو آئین و قانون کی کسی بھی شق کی تشریح کا اختیار دیا ہے اور وہ اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے خود کو آئین ساز بھی سمجھ لیتی ہے۔ میری ناقص رائے میں اگر ہماری عدلیہ اپنے کوڈ آف کنڈکٹ کی ہی اس کی روح کے مطابق پاسداری کر لے تو کسی فاضل جج کی جانب سے کسی کیس کی سماعت کے دوران گرجنے برسنے اور خط بازی کا شوق پورا کر کے اسے پبلک کرنے کی بھی نوبت نہ آئے۔ اسی طرح میرا یہ بھی تجسس ہوتا ہے کہ اگر ملک کا ہر ریاستی، انتظامی ادارہ آئینِ پاکستان میں متعین شدہ اپنی حدود و قیود میں رہ کر اپنے فرائضِ منصبی ادا کرے تو ادارہ جاتی تصادم یا محاذ آرائی کا تصور ہی نہ پنپ پائے۔ ہمارا یہی تو المیہ ہے کہ یہاں ہر صاحب اختیار نے اپنے تئیں خود کو ہی خدا سمجھ لیا ہے چنانچہ فرائض کی انجام دہی میں بھی اس کا عام انسانوں کے ساتھ طرز عمل اسی قالب میں ڈھلا نظر آتا ہے جبکہ کرپشن کلچر تو آج ہمارے معاشرے میں فخر کی علامت بن چکا ہے۔ ہم اپنی پارلیمان کو دیکھیں تو اس میں بیٹھے عوام کے منتخب نمائندگان کوئی قانون پاس کرنے کے اپنے اختیار کو صرف اپنی سہولتوں، مراعات اور تنخواہوں میں دوگنا، تین گنا اضافے کے لیئے استعمال کرنے کے معاملہ میں بہت فراخ دل اور دھما چوکڑی مچاتے نظر آتے ہیں جنہیں معاشرے کے محروم طبقات کے روٹی روزگار کے مسائل سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارا ایک وفاقی ادارہ قانونی اور آئینی اختیار نہ رکھنے کے باوجود اپنی تنخواہیں اور مراعات خود ہی بڑھا لیتا ہے اور اس کی گرفت کرنے والی مجاز اتھارٹی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وفاقی اور صوبائی حکومتی عہدوں پر صدر، وزیر اعظم، نائب وزیر اعظم، چیئرمین، ڈپٹی چیئرمین سینٹ، سپیکرز، ڈپٹی سپیکرز قومی و صوبائی اسمبلی، وفاقی اور صوبائی وزیروں مشیروں، پارلیمانی سیکرٹریوں اور سٹینڈنگ کمیٹیوں کے چیئرمینوں تک کی فوج ظفر موج کے سرکاری خزانے پر بوجھ بنے اللے تللوں اور ان کے پروٹوکول آلودہ طرز زندگی کا ڈنمارک کے انہی شعبوں اور اداروں سے وابستہ افراد کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو وہی ٹیڑھی کل ہمارے ان متعلقہ اداروں میں بھی نظر آئے گی جو محترم عرفان صدیقی صاحب کو اپنی عدلیہ کے حوالے سے نظر آئی ہے۔ یہی صورت حال ہماری بیوروکریسی اور تھانہ و پٹوار کلچر تک میں اختیارات کے ناجائز استعمال کے معاملہ میں نظر آتی ہے۔ ججوں اور سرکاری حکام کے پیدل، بذریعہ سائیکل یا پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعے اپنے اپنے دفاتر جانے کی پختہ روایت کا مشاہدہ میں نے 1992ء میں پنجاب اسمبلی کے ایک پارلیمانی وفد کے ہمراہ دورہ چین کے دوران کیا تھا۔ کیا ہمارے ہاں ایسے کلچر کے فروغ پانے کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔

تو جناب سسٹم کی اصلاح مقصود ہے اور میرٹ اور انصاف کی حقیقی عملداری کا کوئی شائبہ دکھانے کی لگن ہمارے دل میں گھر کرنے لگی ہے تو جھاڑو پکڑ کر ہر جگہ کے گند کی صفائی کے عمل کا آغاز کریں۔ اگر جوتا کسی ایک جگہ سے "پنچ" کرتا ہے تو اس کو بھی ضرور درست کریں مگر آسودگی اور امن و استحکام والا معاشرہ چاہیئے تو ہمیں پورے سسٹم کی بے لاگ اصلاح کا بیڑہ اٹھانا ہوگا۔ ہمیں میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو کی عادت سے خود کو بہر حال باہر نکالنا ہوگا۔

ٹرمپ لاابالی ہے کہ غیرمعمولی حکمتِ عملی کا حامل؟

تحریر: صفدر علی خاں

کیا دُنیا کی سب سے بڑی سپر پاور امریکہ کا صدر حالات کی نزاکت کو سمجھنے سے قاصر ہوسکتا ہے؟ یہ سوال آج کل ہر سیاسی مبصر کے ذہن میں ہے، ایک طرف ڈونالڈ ٹرمپ پر لاابالی اور جذباتی مزاج کا لیبل لگتا ہے تو دوسری طرف اُن کی پالیسیاں کسی غیر معمولی حکمتِ عملی کا پتہ دیتی ہیں لہذا حقیقت کیا ہے؟

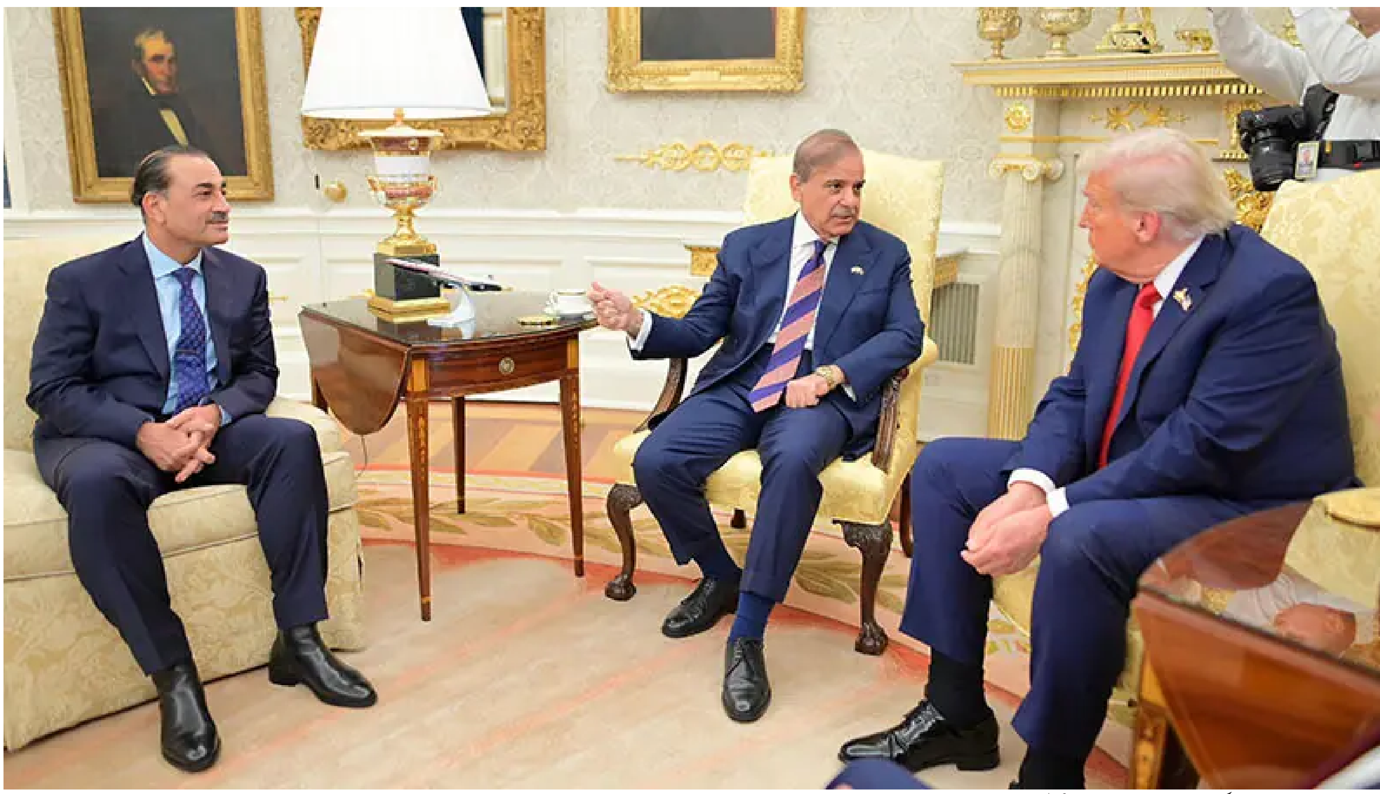

ڈونالڈ ٹرمپ کی شخصیت روایتی امریکی صدور سے یکسر مختلف ہے۔ اُن کے بیانات سخت، لہجہ جارحانہ اور پالیسیاں اکثر غیر متوقع ہوتی ہیں۔ قطر اور ایران جیسے خطے کے حساس ممالک پر حالیہ امریکی پالیسیوں نے نہ صرف ان کے تعلقات کو مزید پیچیدہ کیا بلکہ مشرقِ وسطیٰ میں نئی کشیدگی کو جنم دیا ہے۔ قطر جو امریکا کا انتہائی قریبی اتحادی ہے، اس پر دباؤ ڈالنا دراصل خطے میں نئی صف بندی کا عندیہ ہے اور اسی طرح ایران کے خلاف اقتصادی پابندیاں اور دباؤ بڑھانا ٹرمپ کی جارحانہ حکمتِ عملی کی مثال ہے۔ تاہم چین، روس اور بھارت جیسے بڑے ممالک کے ساتھ ٹرمپ کا رویہ دوہرا اور محتاط نظر آتا ہے۔ ٹرمپ ایک طرف چین کے ساتھ تجارتی کشیدگی کو بڑھاتے ہیں، مگر ساتھ ہی امریکی سرمایہ کاری اور مذاکرات کا دروازہ بھی کھلا رکھتے ہیں۔ روس کے ساتھ تعلقات میں وہ ماضی کی نسبت زیادہ نرم لہجہ اپنائے ہوئے ہیں اور بھارت کو خطے میں ایک اسٹریٹجک اتحادی کے طور پر آگے بڑھانے کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ تو صاحبو ••• یہ سب اقدامات محض ''لاابالی'' قیادت کے تو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک سوچے سمجھے عالمی کھیل کے عکاس ضرور ہیں۔

پاکستان کے ساتھ ٹرمپ کا موجودہ رویہ بھی غیر معمولی ہے۔ ماضی کی نسبت اس وقت وہ پاکستان کے ساتھ تعاون اور محبت کا اظہار تسلسل سے کر رہے ہیں، چاہے وہ افغان امن عمل ہو یا خطے میں استحکام کے دیگر اقدامات۔ ٹرمپ حکومت کی یہ پالیسی بظاہر پاکستان کو ایک اہم کردار دینے کا عندیہ تو ہے، لیکن اس میں امریکی مفادات کی چھاپ بھی نمایاں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امریکی قیادت کے اس بدلتے رویے میں پاکستان کے لیے ایک طرف بڑے مواقع ہیں تو دوسری طرف چیلنجز بھی ••• مواقع یہ ہیں کہ پاکستان اپنے جغرافیائی محلِ وقوع اور سفارتی اہمیت کو استعمال کرتے ہوئے خطے میں اسٹریٹجک اور اقتصادی شراکت داری بڑھا سکتا ہے، خاص طور پر تجارت، سرمایہ کاری اور سیکیورٹی تعاون کے شعبوں میں ••• لیکن ساتھ ہی چیلنج یہ ہے کہ امریکہ کی پالیسی میں اچانک تبدیلیاں پاکستان کو مشکل میں ڈال سکتی ہیں، مثلاً چین کے ساتھ سرد جنگ میں تیزی، افغان امن عمل کی ناکامی یا بھارت کے ساتھ امریکہ کی قربت کا یکہ یک بڑھ جانا ••• اس لیے پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسی میں توازن، خودمختاری اور طویل المدتی منصوبہ بندی کو ترجیح دے، تاکہ بدلتی عالمی سیاست کے اس کھیل میں ایک مضبوط اور خودمختار کردار ادا کر سکے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان اپنی پالیسیز کو روایتی ردعمل سے نکال کر زیادہ فعال اور کثیر جہتی (dimensional-multi) انداز میں آگے بڑھائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ سے تعلقات مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ چین، روس، ایران، سعودی عرب اور خطے کے دیگر ممالک کے ساتھ متوازن اور دیرپا تعلقات قائم رکھے جائیں لہذا یہ حکمت عملی لازمی طور پر پاکستان کو بدلتی عالمی سیاست میں نہ صرف محفوظ رکھ سکتی ہے بلکہ اسے انشائاللہ ایک مضبوط اور موثر کردار بھی عطا کرے گی۔

غیروں کے مقاصد کا نگہدار نہ بن

تحریر وتحقیق: محمد فاروق عزمی

علاّمہ طاہرالقادری نے ایک یورپین انگریزی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے اس سوال کے جواب میں کہ '' کیا حضور نبی اکرم ﷺ کے کارٹون بنانا بلاس فیمی ہے اور کیا ایسے کارٹون بنانے والا سزا کا مستحق ہے؟" جو گفتگو کی اور جو مؤقف اپنایا وہ مسلمانوں کے لیے انتہائی دل آزاری اور حیرت کا باعث بنا ہے جبکہ غیر مسلم قومیں اور خصوصاً وہ لوگ جو توہین آمیز کارٹون یا خاکے بنانے کو اظہارِ رائے کی آزادی سمجھتے ہیں، بہت خوش ہوئے۔ علاّمہ طاہرالقادری نے متذکرہ بالا سوال کے جواب میں جو کچھ کہا، اس کا لبِ لباب مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ڈنمارک نے جو کچھ کیا میں اس پر راضی ہوں۔

۲۔ ڈنمارک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے خاکے بنانا بلاس فیمی نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۳۔ ڈنمارک ایک اسلامی ملک نہیں ہے۔ یہاں اسلامی شریعت نافذ نہیں کی جاسکتی۔ کسی مسلم کمیونٹی کو بھی حق حاصل نہیں کہ وہ اسلامی قوانین ڈنمارک میں نافذ کروانے کی کوشش کرے۔ ایسا صرف ایک اسلامی ملک میں ہی ہوسکتا ہے۔

۴۔ میں جمہوریت پر یقین رکھتا ہوں۔ ڈنمارک پارلیمنٹ کی اپنی مرضی ہے کہ وہ توہینِ رسالت قوانین بنائے یا نہ بنائے، توہینِ رسالت کرنے والے کو سزا دے یا نہ دے۔

۵۔ ڈنمارک حکومت اور وہاں کے لوگوں کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ڈنمارک میں حضور ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنانے اور چھاپنے والا ہرگز کسی سزا کا مستحق نہیں۔

ایسی دل آزار اور شرمناک گفتگو ایک عالمِ دین کے منہ سے سُن کر انتہائی دُکھ ہوا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ کلام کرنے والا ڈنمارک کا کوئی غیر مسلم شہری ہو یا کوئی ایسا مسلمان جس کا دل و دماغ حُبِّ رسول ﷺ سے عاری ہو۔ عالمِ حیرت واستجاب میں مجھے حفیظ جالندھری مرحوم کا یہ شعر بہت یاد آیا:۔

محمدؐ کی محبّت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

ایسے شخص کا ایمان کیسے مکمل ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ ڈنمارک میں حضور ﷺ کے توہین آمیز کارٹون بنانے والا ہرگز کسی سزا کا مستحق نہیں۔ علاّمہ صاحب بھول گئے کہ ایسے خاکے بنانا اور چھاپنا اظہارِ رائے کے حق سے تجاوز ہے۔ ان سے ڈنمارک اور دیگر یورپی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے اور ان میں سخت اشتعال پیدا ہوتا ہے جس سے معاشرتی امن وامان تباہ ہوسکتا ہے۔ یہ فعل تو یورپی ممالک میں عدالتی فیصلوں کے تحت بھی غلط اور قابلِ گرفت ہے۔ (وضاحت آگے آئے گی)۔

آزادیٔ رائے اور حریّتِ فکر وعمل کے حق کی دعویدار مغربی اقوام اخلاقی ومذہبی اقدار اور شرم وحیا سے عاری ہوچکی ہیں۔ 2005 میں ڈنمارک، جرمنی، فرانس، ناروے اور سوئٹزر لینڈ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے انتہائی دل آزار اور قابلِ اعتراض خاکے شائع کیے گئے۔ فکری پستی، ضلالت اور گھٹیا پن کا یہ انتہائی غلیظ مظاہرہ مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنا اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ ناموسِ رسالت کا تحفّظ اُمّتِ مسلمہ کا اوّلیں فریضہ ہے۔ اُمّت یہ فریضہ آقا کریم ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں بھی سرانجام دیتی رہی اور آپ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد آج تک یہ فریضہ بطریقِ احسن پورا کرتی آرہی ہے۔ نبی پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس وجہِ تخلیقِ کائنات ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ادب وآداب اور عزّت واحترام کے حقوق بھی آپ ﷺ ہی کے ہیں۔ ساڑھے چودہ صدیاں گزریں، اُمّتِ مسلمہ اپنی پوری قوّت اور ذمّہ داری سے ناموسِ رسالت کے تحفّظ کے لیے متحد، مستعد اور سرگرمِ عمل ہے لیکن کچھ نام نہاد دانشور اور کم فہم لوگ توہینِ رسالت کو فقہی جرم ہی نہیں سمجھتے (جیسے انڈیا کا علاّمہ وحیدالدین خان) اور کچھ اپنے ملک میں تو ناموسِ رسالت کا صحیح قانون پیش کرتے ہیں لیکن یورپ میں بیٹھ کر مغربی معاشرے کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی دوہرے فکری معیار کے علمبردار علاّمہ طاہرالقادری بھی ہیں۔ علاّمہ موصوف کو نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنانے والے ڈینش کارٹونسٹ اور یہ خاکے شائع کرنے والے نیوز پیپر مالکان و مدیران سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، وہ اسے اظہارِ رائے کی آزادی کا حق سمجھتے ہیں اور ایسی مذموم اور گھٹیا حرکتوں کے مرتکب افراد کو کسی سزا کا مستحق نہیں گردانتے۔ ان میں اتنی بھی جرأت نہیں تھی کہ ایک صحیح مومن کی طرح ایسے دل آزار خاکوں کی کھل کر مذمّت کرتے، اس مذموم فعل کو بلاس فیمی قرار دے کر یہ بتاتے کہ اسلامی شریعت کے مطابق اس کی سزا موت ہے اور ڈنمارک اور دیگر یورپی ممالک کی حکومتوں سے مطالبہ کرتے کہ ایسے دل آزار خاکے بنانے اور چھاپنے کو رکوائے کیونکہ ان سے یورپی ممالک میں بسنے والے تمام مسلمان شہریوں کی دل آزاری ہوتی ہے، ان میں شدید اشتعال پیدا ہوتا ہے جس سے معاشرتی امن وسکون برباد ہوتا ہے۔ وہ واضح کرتے کہ جب حکومتیں کوئی کارروائی نہیں کرتیں تو پھر غازی عامر چیمہ جیسا کوئی عاشقِ رسول آگے بڑھ کر از خود جرم کرنے والے کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیتا ہے۔

ہم علاّمہ طاہرالقادری کے اس مو ؟قف سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ جرمِ توہینِ رسالت کے حوالے سے تمام فقہی مذاہب کا نقطہ ؟ نظر متّفقہ اور بہت واضح ہے۔ اس سلسلے میں معروف قانون دان، دینی سکالر، دانشور، مصنّف، مجاہد تحفّظِ ختمِ نبوّت و ناموسِ رسالت جناب جسٹس (ر) میاں نذیر اختر اپنی کتاب ''حاضری سے حضوری تک'' کے صفحہ ۲۹۰ پر رقمطراز ہیں:۔

''اللہ کریم کے احکامات اور حضور نبی کریم ﷺ کے فرامین اور فیصلوں کی روشنی میں اسلام کے پانچوں فقہی مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور جعفریہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس جرم کی سزا موت ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والا اگر بدقسمتی سے مسلمان ہے تو وہ فی الفور مرتد ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کا ارتداد عام ارتداد نہیں، جس میں توبہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ بلکہ یہ ارتداد

مغلّظ ہے کیونکہ اس میں ارتداد کے ساتھ توہینِ رسالت بھی شامل ہوتی ہے۔ اگر ایسا مرتد تائب بھی ہوجائے تو ممکن ہے کہ اس کی توبہ آخرت میں اس کے کام آئے لیکن دنیا میں وہ سزائے موت سے نہیں بچ سکتا۔ اگر کافر یا غیر مسلم اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا بھی موت ہے۔ وہ اپنے دفاع میں اچھی نیّت یا تعمیری تنقید کا سہارا نہیں لے سکتا۔ علامہ قاضی عیاض مالکی نے اپنی کتاب ”الشفا“ میں بیان کیا ہے:۔”جس شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کو گالی دی یا آپ کی طرف عیب منسوب کیا یا آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں تنقیص وتضحیک کی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر تو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی“۔ (حاضری سے حضوری تک:ص ۲۹۳۔از، جسٹس (ر) میاں نذیر اختر)

امام مالک رحمہ اللہ سے خلیفہ ہارون الرشید نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سبّ وشتم کرنے والے کے متعلق پوچھا اور کہا کہ بعض فقہا نے ایسے شخص کو کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ غصّے سے متغیّر ہوا اور آپ نے فرمایا: ”مَا بَقَاءَ الْاُمَّۃِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِیِّہَا“۔ (اُمّت کے پاس اس کے نبی ﷺ کو گالی دیئے جانے کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے) یعنی اس صورت میں اُمّت کے باقی اور زندہ رہنے کا جواز ہی نہیں رہتا۔

ڈنمارک سمیت دیگر کئی مغربی ممالک کے اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والے توہین آمیز خاکوں پر جہاں تمام اُمتِ مسلمہ سراپا احتجاج ہوئی اور اس ابلیسی کھوپڑی والے کارٹونسٹ کے اس مذموم فعل کی شدید مذمّت کی وہاں ہمارے علامہ موصوف (طاہر القادری) کا نہ تو چہرہ متغیّر ہوا اور نہ ان کے لب ولہجے میں کسی افسوس، دل آزاری یا غم وغصے کا عکس دکھائی دیا۔ بلکہ دورانِ انٹرویو انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ملک ڈنمارک کے باشندوں کو مکمل آزادیِ اظہار کا حق حاصل ہے اور کارٹون بنانے والے اور چھاپنے والے کسی سزا کے حق دار نہیں۔ بڑے ٹھنڈے ٹھنڈے انداز میں مندرجہ بالا بیان دے کر علاّمہ موصوف نے ظاہر کیا کہ انہیں بھی ان کارٹونوں سے کوئی مسئلہ نہیں۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے یورپی حکومتوں اور وہاں کے شہریوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی اور توہین کرنے کا لائسنس جاری کردیا۔

”تف برآں کس کہ دل اندر دام دنیا ماند است“ (افسوس اس شخص پر جس کا دل دنیا کے جال میں پھنس کر کمزور ہوگیا)۔

علامہ موصوف کو جانے کیا خوف ہے، بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندگی فرماتے، وہ توہینِ رسالت کرنے والوں کی حمایت میں رطب اللّسان ہوگئے، کیا غیر ملکی شہریّت کوئی ایسی ایمان شکن دوشیزہ ہے جس پر فریفتہ ہو کر ایک مسلمان اپنے آقا ﷺ کی عزّت وناموس کے دفاع کے فریضے کو ہی بھول جائے؟ علامہ موصوف نے تو تحفّظِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے ایک اچھی کتاب تحریر کی ہے لیکن افسوس میدانِ عمل میں وہ کبھی عاشقِ رسول ممتاز قادری کے خلاف گھنٹوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں اور کبھی حضور ﷺ کے دل آزار خاکے بنانے اور چھاپنے والوں کی آزادیٔ فکر وعمل کے حق کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ فکر وعمل کے اس تضاد کی روشنی میں علامہ موصوف کے سر پر سجا ”شیخ الاسلام“ کا تاج محلِّ نظر دکھائی دیتا ہے۔

انگلینڈ میں ایک بار ایک فلم بنائی گئی جس میں اللہ کریم کے عظیم اور پاکیزہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کردار کشی کی گئی۔ ”The Last Temptation of Chirst“ نامی اس فلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور مسلمانوں نے باقاعدہ کیس دائر کر کے اس فلم کی نمائش کو رکوایا۔ برطانیہ کے ہی ایک شخص مسٹر ٹیگل وینگرو نے ”Vision of Ecstasy“ نامی ایک فلم میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کردار کو مسخ کر کے دکھایا۔ اس فلم میں عریانی اور بے حیائی پر مبنی مناظر بھی فلم بند کیے گئے تھے۔ برٹش بورڈ آف فلم کلاسیفکیشن نے اس فلم کو مخربُ الاخلاق اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تقدّس کے خلاف قرار دے کر نمائش کی اجازت نہ دی اور قرار دیا کہ یہ فلم بلاس فیمی کے قانون کی زد میں آتی ہے۔ بورڈ کے فیصلے کے خلاف فلم ساز نے اپیل کی جسے مسترد کر دیا گیا۔ فلم ساز وینگرو نے ہاؤس آف لارڈز میں جوڈیشنل ریویو کے لیے درخواست دی۔ یہ درخواست بھی خارج ہوگئی۔ ہاؤس آف لارڈز کے جج لارڈ اسکارمین نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ فحاشی کے علاوہ فلم میں بائیبل، خدا اور مسیح کی توہین کے امکان کے باعث فلم کی نمائش کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فلم ساز وینگرو نے یورپی یونین کی سب سے بڑی عدالت حقوقِ انسانی میں پٹیشن دائر کردی اور یہ زوردار نکتہ اُٹھایا کہ اسے برطانیہ میں حاصل آزادیِ اظہار کے انسانی حق سے محروم کیا جارہا ہے۔ عدالت حقوق انسانی کے 9 رکنی بینچ نے فریقین کو بغور سنا، ریکارڈ دیکھا اور فلم ساز کی پٹیشن خارج کرتے ہوئے لکھا کہ بلاس فیمی کا قانون جائز ہے جو انگلینڈ اور کئی یورپی ممالک کا دستوری اور پارلیمانی قانون ہے جس کا مقصد اس رویّے اور رجحانات کو روکنا ہے جس سے عیسائیوں کی مقدّس ہستیوں اور ان کے شعائر کی توہین کی جاتی ہے۔ برطانوی حکومت نے ہاؤس آف لارڈز کے فیصلے کی حمایت کی۔ (تحفّظِ ناموسِ رسالت:ص ۷۵ تا ۷۸۔از، جسٹس (ر) میاں نذیر اختر)۔

مقامِ حیرت وافسوس ہے کہ طاہر القادری جو عالم دین بھی ہیں اور ہزاروں کتابوں کے مصنّف ومرتّب ہیں۔ انہیں یہ فہم وادراک نہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ کے توہین آمیز خاکے (نعوذ باللہ) شائع کرنے کی اجازت دے دی جائے تو لاکھوں مسلمان جو ڈنمارک، ناروے جرمنی، سویڈن، کینیڈا، برطانیہ اور امریکہ سمیت اب دنیا کے کونے کونے میں آباد ہیں، ان کے مذہبی اور دینی جذبات مجروح ہوں گے۔ علاّمہ موصوف نے بظاہر ”بقائمی ہوش وحواس“ کس طرح روانی اور سہولت کے ساتھ ایک ہی سانس میں شیطانی دماغ کے حامل کارٹونسٹ اور یہ کارٹون شائع کرنے والے اخبارات کے مدیران ومالکان کو بری الذّمہ قرار دے کر ان کی مذموم اور شیطانی حرکتوں کے لیے اظہارِ رائے کی آزادی کا سرٹیفکیٹ جاری فرما دیا اور ساتھ ہی ایسی قبیح حرکات کے جواز میں جمہوریت کا راگ الاپنا شروع کردیا۔ تف ہے اس شخص پر جس کے سامنے نبی پاک ﷺ کی ناموس کے تحفّظ کا مسئلہ رکھا جائے تو وہ حق کی بات علی الاعلان نہ کہے بلکہ اپنے مفادات کا تحفّظ کرتے ہوئے یورپی لوگوں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی تضحیک کے بولہبی عمل کو ان کا جائز قانونی حق قرار دے۔

معروف قانون دان اور سابق جج لاہور ہائیکورٹ جناب جسٹس (ر) میاں نذیر اختر اپنی کتاب ”تحفظِ ناموسِ رسالت (عقیدہ اور قانون)“ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔”ناموسِ رسالت کا تحفّظ اُمتِ مسلمہ کا اوّلین فریضہ ہے۔ اُمت یہ فریضہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں بھی سرانجام دیتی رہی ہے اور بعدہٗ آج تک وہ یہ فریضہ بطریقِ احسن پورا کررہی ہے۔ مغربی دنیا دوہرے فکری معیار کی علمبردار ہے۔ اپنے معاشرے میں وہ مادر پدر آزادی کی حامی نہیں اور حدود وقیود کی قائل ہے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ہر نوع کی توہین وگستاخی اور مسلمانوں کی دل آزاری کو اپنا حق سمجھتی ہے۔ یہ متضاد فکر ان کی جہالت اور بولہبیت کی مظہر ہے۔ دورِ حاضر کے بعض مبینہ دانشور تحفظِ ناموسِ رسالت کے قانون کو اقلیتوں کے حقوق کے منافی سمجھتے ہیں وہ کج فہم توہینِ رسالت کو جرم ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ گمراہ ہیں“۔ ہمیں اُمید ہے کہ علاّمہ طاہر القادری صاحب اپنے افکار کی اصلاح فرمائیں گے، حضور نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے والوں کی مذمّت کریں گے اور واضح الفاظ میں کہیں گے کہ حضور ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنانا اور چھاپنا ایسا سنگین جرم ہے جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے، یورپی ممالک کے باشندوں کو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے یا ان کی دل آزاری کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ایسے کلماتِ حق کہنا ہی ہر مسلمان کی غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے۔

بتلا دو گستاخِ نبیؐ کو غیرتِ مسلم زندہ ہے
اُنؐ پہ مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
(صبیح رحمانی)

شہید حکیم محمد سعید بحثیت طبیب

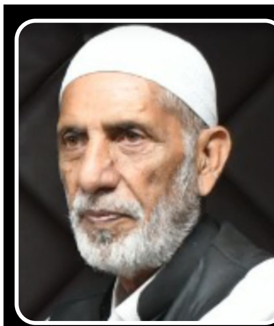

تحریر: حکیم راحت نسیم سوہدروی

شہید حکیم محمد سعید کی شخصیت ہمہ جہت، عہد افرین اور عہد ساز تھی - ان جیسے افراد قوموں کی تاریخ میں صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں - ہم مسلمانوں میں تو ویسے ہی قحط الرجال ہے اور اونچاء سے گرتے ہوے اس پتھر کی طرح ہیں جو زوال کی پستیوں میں گرتا جارہا ہے اب خدا ہی جانے کہ شہید حکیم محمد سعید جیسا نباض ملک وملت اور چمن کا دیدہ ورایگا اور کبھی اے بھی کہ یانہیں اور قوم قعر مزلت میں ڈوبتی جاے گی -شہید حکیم محمد سعید نے زندگی کے مختلف میدانوں میں بےشمار خدمات سرانجام دیں مگران کا بنیادی تشخص فن طب ہے اور اپنی خدمات اور کردار کے باعث قوم کے لئے رول ماڈل قرار پاے مگر انہوں نے طب مشرقی کے معالج کی حثیت سے مریضوں کی خدمت کر کے جس طرح طب مشرقی کو فروغ دیا اور ساری دنیا میں طب کا علم لہرایا اس پر وہ بجاطور پر مجدد طب قرار پاتے ہیں-

وہ شروع سے صحافت کی طرف مائل تھے مگر اپنے برادر اکبر حکیم عبدالحمید کے مشورے پر طبیب بننے کے لئے امادہ ہوے 1936 میں طبیہ کالج دہلی تعلیم طب کے لئے داخل ہوے اور 1940 میں فارغ التحصیل ہو کر بحثیت معالج زندگی کا اغاز کیا 28 سال کی عمر میں تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے نوزائیدہ مملکت اسلامی پاکستان کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے پاکستان اگئے اور کشمکش حیات کا اغاز منحت ومشقت سے کیا اور تعمیر پاکستان میں طب کو میدان عمل بنایا کراچی میں ایک پارسی سے پچاس روپے ماہوار پر کراے کی جگہ پر ساڑھے بارہ کے فرنیچر سے مطب کا اغاز کیا جلدان کا مطب مرجع خلائق بن گیا اور مطب ہاے ہمدرد کا سلسلہ پورے ملک میں پھیل گیا انہوں نے اپنے مطب کو کراچی تک محدود نہ رکھا بلکہ ہر ماہ دو روز لاہور، پشاور، راولپنڈی مطب کرتے بلکہ وقت ملنے پر فیصل اباد ملتان بہاول پور سکھر حیدراباد بھی جاتے اور پاکستان کے دولخت ہونے سے قبل دو یوم ہر ماہ ڈھاکہ بھی جاتے عرصہ دراز تک سہ ماہ ء لندن بھی جاتے رہے ان کی کوشش ہوتی کہ ان کے غیر ملکی سفر مطب کے ایام میں نہ ہوں اگر کسی غیر ملکی دورے سے رات گئے اتے تو اگلے روز مطب میں ہوتے وہ وزیر رہے گورنر رہے مگر مطب کے معمولات میں باقاعدگی نہ آنے دی ان کے مطب میں عمائدین حکومت، سیاستدان، تاجر، بیوروکریسی، غریب اور امیر سبھی قسم کے لوگ اتے وہ سب کو یکساں پروٹوکول دیتے ان کا کہنا تھا کہ طب ایک فن ہے پیشہ ہرگز نہیں ہے ان کا معمول تھا کہ علی الصبح نماز فجر کے بعد

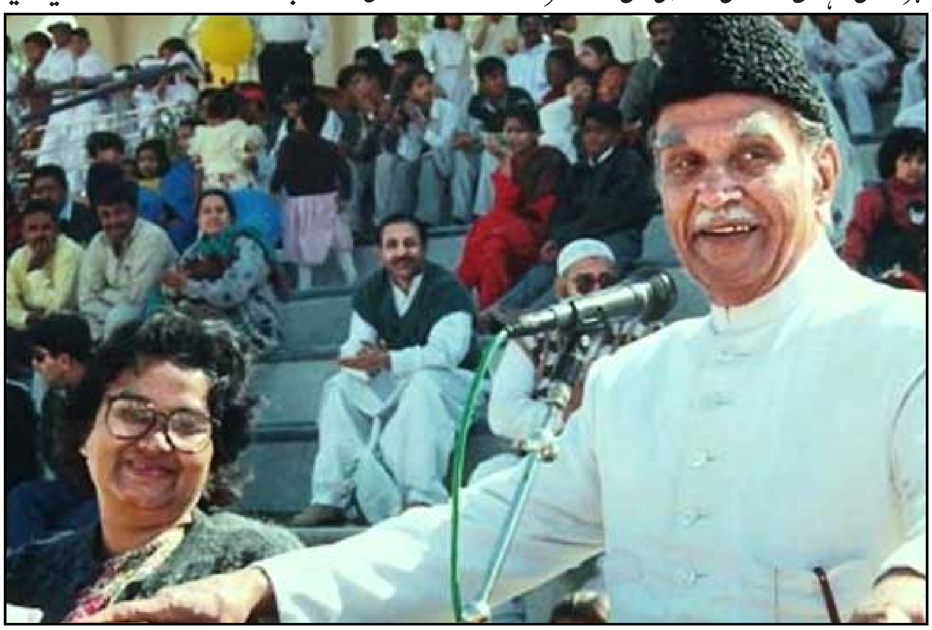

مطب کا اغاز کرتے اور عصر تک احتتام مطب کرتے دن بھر میں کوءڈھاء سے تین سو تک مریضوں کے دکھوں کے مدوا کی سعی کرتے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے کہ انہیں مریضوں کی خدمت کا موقع ملا ہے حکیم صاحب مریض پر پوری یکسوء سے توجہ دیتے مریض ان سے حال کہہ کر مطمن ہوجاتا اور شفا یابی کی امید لے کر لوٹتا حکیم صاحب پوری توجہ مریض کی کہانی سنتے مسکرا کر نبض دیکھتے اور نسخہ تجویز کرتے دس دس گھنٹے کی لمبی نشست کے باوجود نہ کبھی تھکتے اور اٹھتے ہوے تھکن کے اثار نظر نہ اتے بلکہ ہمیشہ تازہ دم اور ہشاش بشاش ہوتے وہ اس حدیث رسول کے مطابق مطب کرتے کہ بہترین شغل انسانوں کی خدمت ہے ایک معالج کی حثیت سے مطب کو صحت کا مرکز بنادیا جہاں طبیب کا فرض تھا ہاتھ نبض پر رکھے مرض کی صیح تشخیص اپنے علم طب سے کرے اور صحت کی دعا اللہ سے کرے وہ طبیب کا مطب میں بیٹھنا اور مریض کو شائستگی سے دیکھنا اپنا فرض اولین سمجھتے اور اس کی تربیت اطبا ہمدرد کو بھی دی۔

مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ کوء بیس سال تک لاہور میں ان کے طبیب پیشی کی حثیت سے ان کے ساتھ کام کیا وہ ہر ماہ کے پہلے جمعہ ہفتہ بعد ازاں بدھ جمعرات لاہور اتے اور مطب کرتے ان کی امد پر مریضوں کی سہولت کے لئے ٹوکن تقسیم کر دئے جاتے مگر پھر بھی ہجوم ہوتا میلے کا منظر ہوتا وہ جس روز مطب کرتے روزہ سے ہوتے اور یہ کوء نیا انکشاف نہیں ہے کہ ساری زندگی سفید لباس زیب تن کیا وہ کہ ایک طبیب شہر تھے جن کے ہاتھ میں بہت شفا تھی ان کی نظر مریض کی جیب پر نہ ہوتی تھی انہوں نے زندگی بھر کسی مریض سے فیس نہیں لی تھی - عام طور پر اسان مفرداتی اور مرکبات پر مشتمل نسخہ لکھتے ان کو قدیم طب اور جدید میڈیکل سائنس پر مکمل عبور تھا یہی وجہ کہ ان کا نسخہ قدیم دانش اور جدید معلومات کا حسین امتزاج ہوتا وہ طب جدید اور سرجری کی ترقیوں کو کھلے دل سے تسلیم کرتے اگر کسی مریض کے کوء دوسرا طریقہ علاج ضروری ہوتا اس کا مشورہ دے دیتے انہوں نے کبھی بھی کسی دوسرے طریقہ علاج کی کبھی مخالفت نہیں کی جو اس وقت دنیا میں رائج ہیں بلکہ فرماتے تھے

،، انسانیت کو سکھ ملنا چاہئے بغیر کسی کو دکھ دیئے وہ سکھ

نہیں کہتا

البتہ طب کا اپنا مقام ہے،،

وہ مریض سے اس خندہ پیشانی سے پیش اتے کہ مریض انہیں دوست سمجھنے لگتا بار ہا ایسا بھی ہو کہ کوء نادر مریض ایا تو نسخہ پر مالی امداد کا لکھ کر دستخط کر دیتے جو وہ کاونٹر پر دوا لینے جاتا تو مفت دوا کے ساتھ مالی امداد پا کر حیرت زدہ رہ جاتا وہ مریضوں کی تلخ اور دکھی کہانی سننے کے بعد بعض اوقات علاج بالمزاح بھی کرتے اور لطیفہ سنا کر روتے بسورتے مریض کو مسکرانے پر مائل کر لیتے وہ کہ ایک معالج کے طور پر ماہر نفسیات بھی تھے حکیم صاحب مطب کے دوران کسی اور کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے اگر کوء بات یاد اجاتی تو نوٹ بک پر لکھ لیتے کسی عطاء حکیم کا نسخہ اجاتا تو کبھی اہانت نہ کرتے بلکہ نیا نسخہ لکھ کر دے دیتے اور اللہ شفا دینے والا ہے وہ کہا کرتے تھے۔

: معالج کو روحانیت کی طرف مائل ہونا چاہئیے اس طرح اس کے ہاتھ میں شفا ہوگی جب معالج کسی مریض کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہے تو اس کی انگلیوں کی پوروں میں سے شعاعیں (ریز) نکلتی ہیں جو مریض میں منتقل ہو جاتی ہیں اگر معالج پا کباز ہوگا تو شفا ہوگی روس کی جدید تحقیق بھی یہی ہے،،

حکیم محمد سعید کا ایک اہم کارنامہ اپنے ہمدرد مطب کو ریسرچ مطب بنا دینا ہے ان کے مطب کی

تحقیقات کا طرہ امتیاز یرقان کی دوا اکٹرین ہے جس پر انہیں قائد اعظم میڈیکل کالج بہاولپور میں امراض جگر پر سیمنار میں بطور مہمان خصوصی مدعو کیا گیا یہ طب مشرقی کے واحد معالج ہیں جنہیں یہ عزت ملی انہوں نے 58 سال تک مطب کیا اور چالیس لاکھ سے زیادہ مریض دیکھے

معالج کیسا ہونا چاہئے اس بارے وہ خود کہتے ہیں

''طبیب کو مریض کی خدمت کے لئے ہاء اسپرٹ ہونا چاہئے یہ اسپرٹ یاد الہی سے اتی ہے صبح تین بجے تہجد گزاری سے اتی ہے تقلیل غذا سے اتی ہے قربانی سے اتی ہے سرمایہ محبت سے اتی ہے یہ چھٹی حس کے اجزا ترکیبی ہیں ایسا ہاء اسپرٹ طبیب جب مریض سے بات کرتا ہے تو روشنیاں کوندتی ہیں مرض ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اسے پہچاننے کے لئے عقل اور الات سے زیادہ روح فکر کی ضرورت ہوتی ہے جب روح فکر سما جاتی ہے تو اندرون جسم سامنے اجاتی ہے پھر وہی روح دواوں کا انتخاب بھی

کر دیتی ہے اللہ شافی،،

شہید حکیم صاحب پر اللہ کا خاص فضل تھا کہ کہ اپ شب بیدار، تہجد گزار، انسانیت سے محبت کرنے والے، قربانی دینے والے اور روزے کو محبوب رکھنے والے تھے حکیم صاحب کو نونہالوں سے خاص محبت تھی جب کوء نونہال مطب میں اتا تو اسے گود میں لے کر ٹافیاں پیش کرتے ان کے مطب کے میز کی دراز میں ان کی ہدایت کیطابق ٹافیوں کا پکیٹ ہوتا ایک معالج کی حثیت سے ان کیمطب میں جوانوں، بورھوں بچوں اور خواتین کا رش ہوتا ان کی ہدایت تھی کہ بزرگ معذور اور خواتین زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتی ان کو باری سے قبل بھیج دیا جاے یہ احترام ادمیت اور بزرگوں سے محبت کا ثبوت ہے۔

برصغیر کے بیشتر حاذق اطبا کے تجربات اس لئے ضائع ہو گئے کہ ان کا کوء ریکارڈ مرتب نہیں کیا گیا مگر حکیم صاحب جو کہ فن طب کی جامع شخصیت تھے اپ نے اہم اور پیچیدہ مریضوں کا ریکارڈ مرتب کر کے تجربات طبیب کے نام سے مطب کی علمی کتابوں اہم اضافہ کیا معالجات کے اشارات اسان اور شگفتہ انداز میں بیان کئے ہیں

اخلاق کو ہر شعبہ زندگی میں مرتبہ لازمی حاصل ہے اس کے بغیر عظمت اور رفعت کا کوء تصور ممکن نہیں ہے دراصل طب طبابت اور اخلاق لازم و ملزوم ہیں اس کے بغیر حق طبابت ہو ہی نہیں سکتا حکیم صاحب بحثیت طبیب اخلاق سے گزرنا پڑا ان کو افادہ عام کے لئے اخلاقیات طبیب کے نام سے مرتب کر کے شائع کر دیا۔

معالج کا کام صرف علاج معالجہ ہی نہیں ہے بلکہ لوگوں کو امراض سے بچانے اور امراض کو بڑھنے سے روکنے کے لئے تعلیم صحت بھی ہے حکیم صاحب نے یہ ذمہ داری بطور معالج احسن انداز میں نبھاء حفظ صحت کا شعور بیدار کرنے کے لئے ہمدرد نونہال اور ہمدرد صحت کے علاوہ اخبارات وجرائد میں باقاعدگی سے طبی مشورے لکھے نئے نئے امراض اور صحت بارے راہنماء دی سیاہ صحت قائم کی -چہرہ کی بدنماء بارے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں

: چہرہ کی دلکشی کا دارومدار دوران خون کی باقاعدگی پر ہے اپنے جذبات پر قابو رکھ کر اپنے چہرہ کی دلکشی بڑھا سکتے ہو: حکیم صاحب کی ذات اطبا ہمدرد کے لیے ایک انسٹی ٹیوٹ کی سی تھی وہ اپنے رفیق اطبا کی بھر حوصلہ افزاء کرتے کسی ہمدرد طبیب کا نسخہ اتا تو اس کی حوصلہ افزاء کے لئے معمولی رد و بدل کر دیتے:

میں نے جب جنگ اخبار میں اپنے کالموں کا انتخاب مرتب کر کے پیش لفظ کے لئے انہیں پیش کیا تو انہوں اس کا پیش لفظ لکھا اخر میں لکھا کہ

: میں حکیم راحت نسیم کی اس مخلصانہ کاوش کے لئے قدر دان ہی نہیں بلکہ متعرف بھی ہوں اور فکر ہمدرد کی اثر انگیزی ہمہ گیری پر اللہ تعالی کا سپاس گزار ہوں میں اپنے کاروان علم وفکر کے تمام رفقا اور اعزہ کے لئے دعا گو ہوں اور احباب سے اپنے لئے بھی یہی توقع رکھتا ہوں:

حکیم صاحب کا بحثیت استاد یہ کلمات ہمیشہ میرے لیے وجہ افتخار رہیں گے۔

حکیم صاحب نے اپنے مطب کو عالمی صحتی مراکز کے مطابق بنایا اج عرصہ بعد ہیلتھ کیئر کمیشن نے مطبوں کے جو معیارات دیئے ہیں ہمدرد مطب میں پہلے سے موجود ہیں۔

بحثیت معالج دیسی دوا سازی کا معیاری اور عالمی معیارات کے مطابق ادارہ ہمدرد بنایا جب یہ مستحکم ادارہ بن گیا تو اسے اللہ کے نام پر وقف کر کے مقاصد ہمدرد کے وقف ہو گئے اج ہمدرد دنیا بھر میں اواز طب کی تحریک ہے جس کے نتیجہ اج طب کی تعلیم اور تحقیق عالمی معیارات کی ہو چکی اور دنیا پھر سے فطرت کی طرف لوٹ رہی ہے اس کی قیادت کا درجہ شہید حکیم محمد سعید اور ہمدرد کو ہے۔

افغانستان میں رومانوی شاعری پر پابندی

سرعام

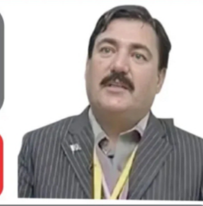

ڈاکٹر رحمت عزیز خان چترالی
rachitrali@gmail.com

افغانستان ایک ایسا ملک ہے جس کی تہذیب، ثقافت اور تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ فارسی، پشتو، ازبک، ترکمانی اور اب چترال سے افغانیوں کے انخلا کے بعد کھوار زبان میں شاعری کی روایات یہاں ہمیشہ سے زندہ رہی ہیں۔ رومانوی شاعری خصوصاً فارسی ادب میں نہ صرف محبت اور حسن کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ اس کے ذریعے روحانیت، تصوف اور انسانی جذبات کی گہرائیوں کو بھی بیان کیا جاتا رہا ہے۔

حافظ شیرازی، مولانا روم، عبدالرحمان بابا، خوشحال خان خٹک، محمد شکور غریب، مرزا محمد سیئر اور دیگر عظیم شعرا کی شاعری میں رومانی عناصر موجود ہیں، لیکن ان کا پیغام صرف دنیاوی محبت تک محدود نہیں بلکہ عشقِ حقیقی، اخلاقی اقدار اور انسانی تربیت پر بھی محیط ہے۔

فارسی کے عظیم شاعر، بیدل دہلوی کی فارسی کلیات، افغانستان ہی میں شائع ہوا اور غالب اور اقبال نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور ان کی فن شاعری کی تعریف میں اشعار بھی کہے ہیں۔

فارسی میں، مثنوی بہ طور معرفت راجستھان، میوات کے پہاڑوں، چشموں اور خوبصورت مناظر کو اپنی فارسی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ میوات راجستھان کے شہر بیراٹ پر بھی کتاب لکھی، ان کی فارسی نظم، کشور میوات جو سات اشعار پر مشتمل ہے، فارسی میں بہت مشہور ہوئی ہے اور گلوکاروں نے بھی گائی ہے۔

افغانستان میں ماضی کی اسلامی حکومتیں اور علماء ان شعرا کی قدر کرتی آئی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں شاعری کی ایک منفرد حیثیت رہی ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں سورۃ الشعراء میں شعرا کے بارے میں تنبیہ کی گئی ہے، لیکن دنیا کی ساری زبانوں کے ادب میں حمد ونعت اور دیگر اسلامی شاعری میں ان شعرا کو سراہا گیا ہے۔

رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مجلس میں صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ جیسے شعرا موجود تھے، جنہوں نے اسلام کے دفاع میں اشعار کہے۔ امام غزالیؒ، ابن قتیبہؒ اور دیگر علماء نے شعر وادب کو ایک تعمیری فن قرار دیا، بشرطیکہ وہ اخلاقیات، شریعت اور سماجی ذمہ داریوں کے دائرے میں ہو۔

اسلام میں اخلاقی حدود کے ساتھ شاعری کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اسے جذبات وخیالات کے اظہار کا ایک باوقار ذریعہ مانا گیا ہے۔ عشقِ مجازی کو بعض اوقات عشقِ حقیقی کا تمہید بھی قرار دیا گیا ہے۔

افغانستان میں حالیہ قانون کے تحت رومانوی شاعری پر پابندی عائد کرنا، بظاہر اسلامی اخلاقیات کے تحفظ کے لیے کیا گیا قدم دکھائی دیتا ہے۔ اس قانون میں "دنیاوی محبت"، "لڑکے اور لڑکی کی تعریف" اور "دوستی کی ترغیب" جیسے موضوعات کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ افغانستان کے وزارت اطلاعات وثقافت کی جانب سے نگران کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں جو اشعار اور تقاریر کی جانچ پڑتال کریں گی اور خلاف ورزی پر "شریعت اسلامی کے مطابق" سزا دی جائے گی جو کہ خوش آئند اقدام ہے۔

ناقدین یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ:

کیا تمام رومانوی شاعری اخلاقی زوال کی نمائندہ ہوتی ہے؟

کیا ادب پر ایسی سخت نگرانی سے تخلیقی آزادی متاثر نہیں ہوگی؟

کیا شریعت کے نام پر ذاتی تشریح کو قانون کا درجہ دینا مناسب ہے؟

طالبان حکومت نے ادب کی آزادی پر قدغن نہیں لگائی ہے بلکہ غیر شرعی اشعار کی مخالفت کی ہے۔ لیکن مخالفین کا کہنا ہے کہ رومانوی شاعری پر پابندی صرف ایک صنف ادب پر پابندی نہیں، بلکہ ایک پوری فکری روایت کی سرکوبی ہے۔ ادب معاشرے کا آئینہ ہوتا ہے، اور شاعری انسان کے اندرونی جذبات، محبت، درد، خوشی اور تصوراتی پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہے۔ ایسی پابندی ادیبوں کو خود اظہار سے محروم کرسکتی ہے، جو فکری جمود کو جنم دے سکتی ہے۔

شرعی اصولوں کا محدود اطلاق شاعری پر بھی ہونا چاہئے۔ اگر شاعری میں فحاشی یا بداخلاقی کی ترویج ہو تو یقیناً شریعت میں اس کی گنجائش نہیں، لیکن ہر رومانوی شعر یا مشاعرہ فحاشی کا مظہر نہیں ہوتا۔ "دنیاوی محبت" پر مکمل پابندی اسلام کے اس پہلو سے تضاد رکھتی ہے جس میں فطری جذبات کو تسلیم کیا گیا ہے اور ان کے اظہار کو ایک باوقار انداز میں روا رکھا گیا ہے۔

ہر غزل پر پابندی سے ثقافتی تنوع کا نقصان ہوگا۔ افغانستان کے مختلف لسانی اور ثقافتی گروہ اس قانون سے متاثر ہوں گے، خصوصاً وہ قومیں جن کا شعری ورثہ رومانوی ادب سے جڑا ہوا ہے۔ یہ اقدام ایک یک طرفہ ثقافتی شناخت مسلط کرنے کا تاثر بھی دے سکتا ہے۔

موجودہ قانون کی زبان مبہم اور عمومی ہے۔ "دنیاوی محبت" یا "دوستی کی ترغیب" جیسے الفاظ کی مختلف تشریحات ہوسکتی ہیں، جو ماورائے عدالت کارروائیوں کا خطرہ بڑھا سکتی ہیں۔ اس سے نہ صرف شعرا بلکہ معاشرتی مکالمہ اور تقریر کی آزادی بھی متاثر ہوسکتی ہے۔

اسلامی معاشرہ تخلیقی اظہار اور اخلاقی اقدار کے درمیان توازن کا قائل ہے۔ افغانستان میں رومانوی شاعری پر مکمل پابندی عائد کرنا نہ صرف تاریخی وادبی تسلسل کے منافی ہے بلکہ اسلامی اصولوں کی متوازن تشریح کے برخلاف بھی ہے۔ اگر اصلاح مقصود ہے تو اس کا راستہ سخت قوانین سے نہیں، بلکہ تعلیم، تربیت اور تنقیدی مکالمے سے نکلتا ہے۔

ایک بہتر طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ فحاشی وبے حیائی کے خلاف قوانین موجود رہیں، لیکن تخلیقی آزادی کو مناسب حدود میں رہتے ہوئے پروان چڑھنے دیا جائے۔ ایسا ماحول نہ صرف اسلامی روایات کے مطابق ہوگا بلکہ ایک صحت مند، متحرک اور باشعور معاشرے کی بنیاد بھی بنے گا۔

ماحولیاتی آفات پر قرآنی نقطۂ نظر

تحریر: رابعہ سعید

اسلامی نقطہ نظر سے موسمیاتی تبدیلی کو انسانی اعمال کے نتیجے کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو فطرت کے توازن میں خلل ڈالتے ہیں اس توازن پر قران مجید میں زور دیا گیا ہے جو انسانوں کو توازن برقرار رکھنے اور اللہ کے مقرر کردہ توازن سے تجاوز نہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے (سورۃ الرحمٰن 7 تا 9)

قرآن مجید کی مختلف آیات میں ان آفات کے لیے عذاب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے اسباب اس کی صورتیں اور اس سے بچاؤ کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ان اسباب پر غور کرتے ہوئے خود کو ان سے بچائے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

کفر و شرک

گناہ اور نافرمانی (سورۃ القمر 4)

ظلم و زیادتی (آل فرعون کی مثال)

تکبر اور غرور (قوم عاد کی مثال)

دین میں شک کرنا (سورۃ ق 24 تا 26)

آخرت کو بھلا دینا

برے اعمال کرنا

اللہ کے عذاب سے ڈرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑانا (سورۃ الجاثیہ 31 تا 34)

فضول باتوں میں مشغول رہنا

(سورۃ المعارج 42)

رسولوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی (سورۃ القلم 8 تا 13)

ناشکری کرنا (سورۃ الرحمٰن 13)

درختوں کو بلاوجہ کاٹنا کیونکہ وہ سجدہ کرتے ہیں (سورۃ الرحمٰن 6)

مادیت پرستی، بے حیائی (آل لوط کی مثال)

بے صبری بنی اسرائیل کی مثال

حقداروں کو ان کا حق دینے کی بجائے اس پر قبضہ کرنا (آل فرعون کی مثال)

زمین کی حدوں سے باہر نکلنا

(سورۃ الرحمٰن 33 تا 35)

عذاب کی صورتیں (گزشتہ ادوار میں)

طوفان: جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر نازل ہوا (آسمان اور زمین سے پانی برسنا)

بدلہ: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھروں کا برسنا

خوفناک آواز: جیسے بجلی کا کڑکنا" تو بہر حال (قوم) ثمود تو خوفناک آواز سے ہلاک کیے گئے" (سورۃ الحاقہ 5)

آندھی" اور رہے قوم عاد تو وہ ہلاک کیے گئے (ایسی آندھی سے جو انتہائی سرد اور بے قابو تھی)" (سورۃ الحاقہ 6)

ان میں ایک قوم ایسی بھی تھی جنہوں نے عذاب آتے دیکھا تو سب کے سب سجدے میں گر گئے اور ان سے عذاب ٹل گیا

عذاب کی صورتیں (آنے والے دور میں):

پہاڑوں کا ریت کی طرح چلنا" اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے اور پھر وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے"

(سورۃ الواقعہ 5,6)

آسمان کے ٹکڑے گرنا" اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ

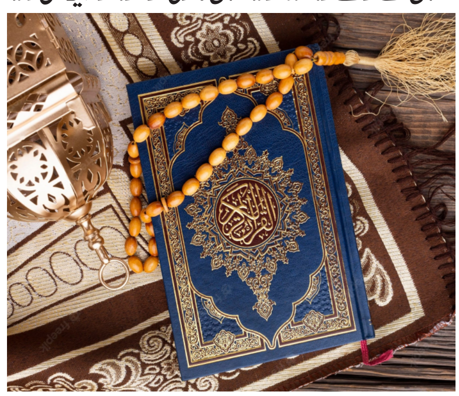

کہیں گے کہ کوئی تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے"

(سورۃ الطور 44)

پہاڑوں کا روئی کے گالوں کی طرح اڑنا

آسمان کا جھولنا

آسمان کا سرخ چمڑے کی طرح ہو جانا" پھر جب اسمان پھٹ جائے گا تو وہ (سرخ) گلاب کی طرح ہو جائے گا , سرخ چمڑے کی طرح" (سورۃ الرحمٰن 37)

آسمان کا پھٹ جانا

سورج اور چاند کا بے نور ہو جانا

تیز ہواؤں کا چلنا ہوائیں اللہ کی رحمت کی امید بھی دلاتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈراتی بھی ہیں (سورۃ المرسلات 1 تا 6)

ستاروں کا اپس میں ٹکرانا

زلزلہ زمین میں دھنسنا" کیا تم اس سے بے خوف ہو جو اسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے تو اچانک وہ لرزنے لگے" (سورہ ملک 14))

پتھروں والی ہوا کا چلنا" کیا تم بے خوف ہو اس سے جو اسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے تو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے" (سورۃ الملک 17)

غذا کی کمی" بھلا ایسا کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ (اللہ) اپنا رزق روک لے بلکہ وہ سرکشی اور (حق سے) نفرت میں اڑے ہوئے ہیں" (سورۃ الملک 21)

پانی کا زمین کے نیچے اتر جانا" اپ فرما دیجئے بھلا تم دیکھو اگر تمہارا پانی زمین کے نیچے اتر کار خشک ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں زمین پر بہتا ہوا پانی لا کر دے"

(سورۃ الملک 30)

درجہ حرارت کا بڑھنا

سمندر کا ابلنا (سورۃ الطور 6)

قران مجید کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عذاب ان دو اوقات میں آیا؟ ایک صبح سویرے جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اور دوسرا دوپہر کے بعد جب لوگ قیلولہ کرتے ہیں (واللہ ورسولہ اعلم)

ان عذابوں یا آفات کا مقصد لوگوں کو اللہ کی تخلیق اور اطاعت کی طرف بلانا ہے اور انہیں اپنے گناہوں سے توبہ کی توفیق دینا ہے یا انہیں صفحہ ہستی سے مٹانا ہے جو قومیں اپنے گناہوں پر ڈٹ جاتی ہیں اللہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے اور ان کی جگہ وہ لوگ لاتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہوں

عذاب سے بچنے کی صورتیں

ایمان اور اعمال صالحہ

اللہ کی مقرر کردہ حدوں کا خیال رکھنا ایسی ایجادات سے پرہیز کرنا جو اللہ کے غضب کو دعوت دے

توبہ و استغفار: قرآن مجید میں اللہ پاک کا فرمان ہے کہ جو سحری کے وقت توبہ استغفار کرتے ہیں ان کو عذاب نہیں دیا جاتا

دعا, ذکر اور عبادت "یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وہ تمہارے گناہ و بخش دے گا اور وہ تمہیں مقررہ وقت تک مہلت عطا فرمائے گا بے شک اللہ کا مقرر وقت اجائے تو تاخیر نہیں کی جاتی کاش تم جانتے" (سورہ نوح)4

صبر اور شکر

نیکی اور پرہیز گاری

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنا (یہ زمین اور اس میں موجود تمام چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں ہمیں ان کی قدر کرنا چاہیے پانی اور درخت بھی اللہ کی نعمتیں)

اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر

اللہ کے عذاب کا خوف

اسراف سے بچنا کیونکہ فضول خرچ کو اللہ نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے

-

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تسبیح جیسے تسبیح فاطمہ "ہمیں صبح اٹھنے کے بعد رات کو بھی اللہ کی حمد و تسبیح کرتے رہنا چاہیے" (سورۃ الطور 48)

اللہ نے ہمیشہ اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں کو ان عذابوں سے اور آفات سے محفوظ رکھا ہے جس کی مثال حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی, حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیاں ہیں جن کو پوری قوم پر عذاب انے کے باوجود اللہ نے اپنی رحمت سے محفوظ رکھا۔

گاؤں کی ننھی کلی

قسط نمبر (2)

تحریر: حفیظ اللہ خان

بڑے بھائی کا خواب:

بڑا بھائی، اسماعیل، ہمیشہ کہتا تھا کہ وہ بڑا ہو کر انجینئر بنے گا۔ اس کی آنکھوں میں بڑے خواب چمکتے تھے۔ وہ ہر وقت کتابوں میں کھویا رہتا تھا حساب کے سوالات حل کرتا، ڈرائنگ بناتا اور کہتا:

"شگفتہ! دیکھنا، ایک دن میں موٹر ویز کا ڈیزائن دونگا اور بڑے بڑے پل بناؤں گا تب لوگ کہیں گے کہ یہ سول انجینئر محمد اسماعیل کا کام ہے"۔

مجھے اسماعیل کی یہ باتیں سن کر بہت خوشی ہوتی۔ وہ میرا رول ماڈل تھا۔ جب میں کبھی اپنے ہوم ورک میں خاص کر ریاضی میں مشکل محسوس کرتی تو وہ میرے پاس بیٹھ کر بڑے صبر سے سمجھاتا اور اس کی باتیں مجھے حوصلہ دیتی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

چھوٹے بھائی کی شرارتیں:

میرا چھوٹا بھائی شاہ زمان، جب سکول میں داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ دن بھر ماں کے ساتھ گھر میں کھیلتا رہتا۔ وہ اتنا شرارتی تھا کہ کبھی میرے بستے سے پنسل ربڑ قلم قط وغیرہ نکال کر چھپا دیتا اور کبھی میری گڑیا کے کپڑے بدل کر الٹے سیدھے پہنا تا تھا۔

ایک دن میں نے اسے کہا:

"شاہ زمان! تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟"

اس کے ہاتھ میں غلیل تھا اور شرارتی ہنسی کے ساتھ جواب دیا:

"میں تو گاؤں کا سب سے بڑا شکاری بنوں گا!"

اس کی یہ بات سن کر ہم سب ہنس پڑے۔

☆☆☆☆☆☆

والدین کی دعائیں اور ہمارا عزم:

ہمارے والدین ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ ہم اپنے خواب پورے کریں اور اپنے ملک کا نام روشن کریں۔ والد کہا کرتے تھے:

"یہ زمین یہ ملک شہدا کی امانت ہے اس کی خدمت ہی سب سے بڑی خدمت ہے۔ تم سب نے اس مٹی کا قرض اتارنا ہے۔ یہ ملک بڑی مشکلوں سے بنا ہے"۔

یہ باتیں ہمارے دل میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو گئیں۔ مجھے یاد ہے جب بھی رات کو سونے سے پہلے ہم سب اکٹھے بیٹھتے والدین ہمیں بڑے بڑے لوگوں کی کہانیاں سناتے اور کہتے:

"محنت کرو، اپنی تعلیم مکمل کرو اور ایسے کام کرو کہ دنیا تمہیں یاد رکھے۔"

یہ نصیحتیں ہمارے لیے مشعلِ راہ تھیں۔ اسی حوصلے اور دعاؤں کے ساتھ ہم بہن بھائیوں نے اپنے خوابوں کی تعبیر کے سفر کا آغاز کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

دیہات کی زندگی اور تعلیم:

ہم چونکہ دیہات میں رہتے تھے اس لیے وہاں کی زندگی سادہ اور محدود تھی۔ گاؤں میں لڑکیوں کا سکول صرف مڈل تک تھا جبکہ لڑکوں کے لیے ایک ہائی سکول موجود تھا۔ ابو جان ہمیشہ کہتے تھے کہ مشکلات چاہے کتنی بھی ہوں تعلیم کا راستہ کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

جب میں چھٹی جماعت میں پہنچی تو میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ یہ وہ وقت تھا جب مجھے پڑھائی کا شوق اور زیادہ ہونے لگا تھا۔ سکول میں ہماری اردو کی استانی مِس صفورہ صاحبہ کہتی تھیں کہ کتابیں انسان کی سب سے اچھے ساتھی ہوتی ہیں اور میں نے اس بات کو دل سے مان لیا تھا اور ساتھ ساتھ غیر نصابی کتب مثال نسیم حجازی کا ناول خاک اور خون، شمشیر بے نیام، اس طرح کی کتابیں زیر مطالعہ رہیں۔

☆☆☆☆☆☆

بھائی کی کامیابی:

بڑے بھائی اسماعیل، اس وقت دسویں جماعت میں تھے۔ وہ دن رات اپنی پڑھائی میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ہمیشہ کتاب ہوتی اور ان کی آنکھوں میں بڑے خواب نظر آتے تھے۔ جب ان کے میٹرک کا نتیجہ آیا تو پورے گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اسماعیل نے ضلع بھر میں اول پوزیشن حاصل کی تھی!

والدین کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور ابو نے فخر سے کہا:

"اسماعیل! یہ خدا کی مہربانی اور تمھاری محنت کا نتیجہ ہے۔ اگر دل سے محنت کی جائے تو کامیابی خود تمہارے قدم چومے گی۔"

گاؤں کے سب لوگ ہمارے گھر مبارکباد دینے آئے۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر ارسلان صاحب نے بھی کہا کہ اسماعیل ہمارے گاؤں کا فخر ہے اور ایک دن اسماعیل پاکستان کا نام دنیا بھر میں روشن کریں گا۔ اس دن مجھے یہ یقین ہو گیا کہ محنت اور تعلیم ہی وہ راستہ ہے جو انسان کو بلندیوں تک لے جا سکتا ہے۔ اب شاہ زمان بھی سکول جاتا تو ان کی شرارتیں سکول میں بھی جاری رہیں۔ اکثر استاد صاحب شکایت کرتے کہ وہ کبھی اپنی کتابوں کے اوراق پھاڑ دیتے ہیں کبھی پنسل توڑ دیتا۔ لیکن ماں کہتی تھیں کہ یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ہم بہن بھائیوں کی تعلیم کے لیے ہمارے والدین نے بہت محنت کی۔ ابو اکثر کہا کرتے تھے:

"اسماعیل، شگفتہ، شاہ زمان! تعلیم تمہیں وہاں پہنچائے گی جہاں خواب حقیقت بن جائیں گے۔ اس گاؤں کی زندگی سے نکل کر تب تم نے اس ملک کی خدمت کرنا ہے۔"

اسماعیل کی کامیابی اور پھر شاہ زمان کے سکول میں دلچسپی نے ہمارے گھر میں ایک نئی امید جگا دی تھی۔ میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ میں بھی اپنی پڑھائی میں محنت کروں گی اور اردو کی لیکچرار بنوں گی تا کہ اپنے والدین کے خوابوں کو پورا کر سکوں۔

☆☆☆☆☆☆

زمانہ 1999ء اور ہمارا بچپن:

یہ 1999ء کا زمانہ تھا جب میں ابھی سکول کی طالبہ ہی تھی۔ میری یادیں اس وقت کی بہت واضح ہیں جب ملک میں ایک بہت بڑا بحران آیا۔ کارگل جنگ شروع ہو چکی تھی اور اس کا اثر ہمارے گھروں، سکولوں اور ہر پاکستانی کے دل و دماغ پر تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پی ٹی وی پر خبریں آتی تھی کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحدی جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب صرف ایک قومی چینل پی ٹی وی دیکھنا ممکن تھا اور خبریں اسی ایک چینل سے ملتی تھیں۔ ہمارے گھر میں بھی ٹی وی تھی۔ جس کے سامنے پورا خاندان بیٹھا رہتا اور خبریں سنتا تھا۔ ہر شام جب جنگ کی خبریں نشر ہوتی تو ہم سب خاموش ہو جاتے۔ والدین خاص طور پر ابو خبریں بڑے دھیان سے سنتا اور ان کی آنکھوں میں فکر اور پریشانی کی جھلک صاف دکھائی دیتی تھی۔ ایک عجیب سی خاموشی چھا جاتی۔ ہم سکولوں کے طلباء، طلبات کو تو زیادہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے لیکن والدین کے چہروں پر بے چینی نے ہمیں بھی بے سکون کر دیا تھا۔

(جاری ہے)

سالانہ تاریخی میلہ بابا سیدن شاہ، علاقائی ثقافت کا آئینہ دار

پنجاب کی دھرتی اپنی زرخیزی، رنگارنگ روایات اور دلکش ثقافت کے باعث دنیا بھر میں منفرد پہچان رکھتی ہے۔ یہاں کے میلوں کو ہمیشہ سے ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ یہ میلوں ٹھیلوں کی سرزمین نہ صرف لوگوں کو تفریح فراہم کرتی ہے بلکہ صدیوں پرانی ثقافتی اقدار اور سماجی تعلقات کی جھلک بھی پیش کرتی ہے۔ پنجاب کے دیہی میلوں کو اگر "ثقافت کے آئینہ دار" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ وہ پلیٹ فارم ہیں جہاں لوگ اپنی خوشیاں بانٹتے ہیں، کھیلوں اور مقابلوں کا انعقاد ہوتا ہے، دستکاری اور ہنرمندی کے مظاہرے دیکھنے کو ملتے ہیں اور صوفیانہ شاعری و موسیقی دلوں کو سکون عطا کرتی ہے۔ گھوڑا دوڑ، کشتی، نیزہ بازی، گھوڑا ناچ، اونٹ ناچ، کبڈی اور بیل گاڑی کی دوڑ جیسے مقابلے ان میلوں کی جان ہوا کرتے ہیں، جو محض کھیل نہیں بلکہ پنجابی سماج کی جرات اور توانائی کی علامت ہیں۔ یہ میلے صدیوں پرانی لوک روایت کو زندہ رکھتے ہیں۔ ان میں وہ رنگ، خوشبو اور محبت جھلکتی ہے جو پنجاب کی دھرتی کی پہچان ہے۔ لوک گیت، جھومر اور دھمال بھی پنجاب کے ان میلوں کا حصہ ہیں اور یہ نسل در نسل منتقل ہونے والی روایات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ دستکار اپنی محنت سے تیار کردہ مٹی کے برتن، چوڑیاں، کپڑے اور کھلونوں کی نمائش کرتے ہیں، جو نہ صرف گاؤں کی معیشت کو سہارا دیتے ہیں بلکہ ثقافت کو دوام بھی بخشتے ہیں۔ پنجاب کے میلوں کا سب سے خوبصورت پہلو یہ ہے کہ یہ محض تفریحی میل جول نہیں بلکہ اتحاد و یگانگت کی علامت بھی ہیں۔ لوگ دور دراز علاقوں سے سفر طے کر کے میلوں میں شریک ہوتے ہیں، جس سے بھائی چارہ اور قربت پروان چڑھتی ہے۔ یہ اجتماعات اس بات کا اظہار ہیں کہ پنجابی عوام اپنی ثقافت اور روایت سے کس قدر محبت رکھتے ہیں۔ جدید دور میں اگرچہ شہری زندگی کی مصروفیات اور ٹیکنالوجی نے میلوں کی چمک دمک کو کچھ کم کیا ہے، مگر آج بھی پنجاب کے دیہی علاقے اپنی روایات کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ میلے ہمیں اپنی جڑوں سے جوڑے رکھتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ اصل خوشی سادگی، محبت اور اجتماعی تہذیبی اقدار میں پنہاں ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ پنجاب کے میلے اس خطے کی روح ہیں۔ یہ نہ صرف ماضی کی جھلک دکھاتے ہیں بلکہ مستقبل کے لیے ایک پیغام بھی دیتے ہیں کہ اپنی ثقافت کو زندہ رکھنا ہی حقیقی خوشحالی اور اجتماعی شناخت کی ضمانت ہے۔ سالانہ تاریخی میلہ حضرت بابا سیدن شاہ بخاری 20 سالہ سال سے نور پور تھل میں منعقد ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس تاریخی میلے کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بابا سخی سیدن شاہ بخاری کو دراد ین پناہ سے ان کے مرشد کی جانب سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کے لیے علاقہ تھل کو اپنا مسکن بنائیں۔ یہاں اکر اپ نے موجودہ گورنمنٹ ہائی سکول فار بوائز نور پرسال کے نزدیک (جہاں آپ کا مزار ہے) تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا دیکھتی دیکھتے اپ یقیناً مندوں کی تعداد میں اضافہ ہونیلگا۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک مرتبہ برصغیر میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جس کے نتیجے میں ہر گھر میں اموات واقع ہونے لگیں ان دنوں دربار کے نزدیک سکھوں کا ایک مکھن خاندان اباد تھا انہوں نے طاعون کی وبا سے بچنے کے لیے دربار بابا شایدان شاہ بخاری میں پناہ لی اور پورا سخان بیماری سے محفوظ رہا جوہی تو ان کی وبا ختم ہوئی مکھڑ خاندان دربار کے ہاتھوں سے باہرایا اور خوشی کے اظہار کے لیے دربار کے سامنے کھلے میدان میں یکم دوساون کو اونٹ دوڑائے اور یوں اس تاریخی میلہ کی ابتدا ہوئی۔ مکر خاندان کے ایک شخص نے اسلام قبول کرلیا جس کا نام غلام رسول رکھا گیا اور اس کی اولاد آج بھی نور پور تھل میں موجود ہے۔ اگرچہ یہ تاریخی میلہ اوائل میں ماز اونٹوں کی دوڑ تک محدود تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کے پروگراموں میں جدت آتی گئی اور ان میں مختلف علاقاء کھیلوں کے مقابلے اور دیگر رنگارنگ پروگرامز شامل ہو گئے۔ یہ سالانہ تاریخی میلہ امسال بھی کنوینیر میلہ اسسٹنٹ کمشنر ڈاکٹر ہارون احمد شیراز کی طرف سے جاری کردہ شیڈول کے مطابق منعقد کیا جائے گا۔ سالانہ تاریخ میلہ بابا سائدن شاہ کی تین روزہ تقریبات مورخہ چار پانچ اور چھ اکتوبر کو نور پور تھل میں منعقد ہوں گی۔

ایکس تحصیل میونسپل آفیسر نور پور تھل راجہ ظہور احمد بطور فرض شناس آفیسر

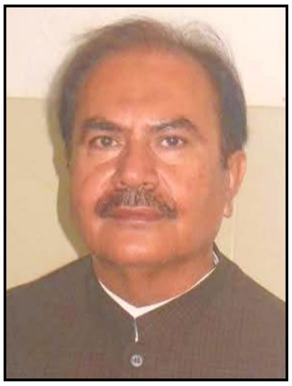

تحصیل نور پور تھل کی دھرتی اپنی روایات اور عوامی خدمت کے اعتبار سے ایک منفرد پہچان رکھتی ہے۔ اس علاقے میں کئی شخصیات آئیں اور گزر گئیں، مگر وہی لوگ یاد رہ جاتے ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو دیانت داری، محنت اور خلوص نیت کے ساتھ نبھایا۔ سابق تحصیل میونسپل آفیسر نور پور تھل، راجہ ظہور احمد انہی فرض شناس اور نیک نیت افسران میں شامل ہیں، جنہوں نے اپنے دورِ تعیناتی کو عوامی خدمت کے ایک روشن باب میں بدل دیا۔ راجہ ظہور احمد ساہیوال/ سرگودھا کے قابل فخر سپوت ہیں۔ اللہ تعالی انے آپ کو اعلی اانتظامی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں۔ آپ انتہائی ہردلعزیز پروقار، ملنسار، بردبار، خوش اخلاق اور معاملہ فہم شخصیت کے مالک ہیں۔ اپنے انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے آپ عوامی سماجی حلقوں میں نہایت مقبول ہیں اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اعلی اخداد انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس وقت کے تحصیل ناظم الحاج ملک سید رسول سلہال اور اپنی آفس کی پوری ٹیم کے ساتھ مل کر نور پور کے شہریوں کی فلاح و بہبود کیلیے حتی المقدور بھرپور طریقے سے مثالی کام کئے۔ موصوف کی ہدایت پر ایم سی کے سینیٹری ورکرز کے انچارج عقیل عباس خان بلوچ کی قیادت میں روزانہ کی بنیاد پر عملہ صفاء شہر کی گلیوں، بازاروں، چوکوں اور چوراہوں میں نکاسیٔ آب اور گلی کوچوں اور شہر کے دیگر مقامات پر صفاء کے نظام کو موثر بنانے کیلیے متحرک رہا۔ واٹر سپلاء کے بہترین انتظام وانصرام کی وجہ سے شہریوں کو پینے کا صاف اور میٹھا پانی بروقت میسر رہا۔ تحصیل میونسپل آفیسر کی خصوصی توجہ سے شہر کے مختلف مقامات پر سٹریٹ لائٹس کی تنصیب سمیت اسے فنکشنل رکھنے کیلیے موثر اقدامات کئے گئے۔ مزید برآں یہاں پر برسبیل تذکرہ راقم الحروف گرانقدر محترم المقام راجہ صاحب کی عوام دوستی کی ایک خاص بات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ ان کی یہاں پر تعیناتی کے دوران ایک مرتبہ اپنے صحافی بھائیوں سیٹھ ثمر سلطان اور ایم نور دین کے ہمراہ ان کے آفس میں جانا ہوا تو اس وقت نائب ناظم ملک عالمشیر چھینہ بھی ان کے پاس موجود تھے۔

راجہ ظہور احمد نے نور پور تھل میں تعیناتی کیدوران اپنے عہدے کو ذاتی مفاد یا اختیارات کی نمائش کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے عوامی خدمت کے ایک بڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے فیصلے ہمیشہ شفافیت، میرٹ اور عوامی فلاح پر مبنی ہوتے۔ وہ ہر کام میں اصول پسندی کو ترجیح دیتے اور یہی ان کی کامیابی کی بنیاد بنی۔ ان کے دورِ تعیناتی میں صفائی ستھرائی کے نظام کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ پینے کے صاف پانی کی فراہمی، نکاسی آب کے مسائل اور شہری سہولتوں میں خاطر خواہ بہتری دیکھنے کو ملی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ عوام کے درمیان رہ کر ان کے مسائل سنتے اور عملی اقدامات کے ذریعے فوری حل کی کوشش کرتے۔ ان کا دفتر عام شہری کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا اور وہ اپنے ماتحت عملے کو بھی یہی نصیحت کرتے کہ عوامی خدمت ہی اصل مقصد ہے۔ راجہ ظہور احمد جیسے افسران وہ چراغ ہیں جو اندھیروں میں روشنی بکھیرتے ہیں۔ وہ جھک کر عوام کی خدمت کرتے ہیں مگر تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ بلند دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اداروں کے ماتھے کا جھومر اور عوام کے دلوں کی دھڑکن ہوتے ہیں۔ ایڈووکیٹ راجہ ظہور احمد کا نام ہمیشہ ایک فرض شناس، دیانت دار اور عوام دوست آفیسر کے طور پر سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔

چند اشعار ان کی شان میں

دن رات جو خدمت میں گزارا کرے کوئی
اللہ بھی اس شخص کو پیارا کرے کوئی
ایمان کی خوشبو ہے کردار کی خوشبو
ایسا ہو تو افسر بھی گلزار کی خوشبو
دیانت ہو، امانت ہو، شرافت ہو جس میں
وہ شخص زمانے کے لیے رہتا ہے چراغاں
نام رہے گا ان کا ہمیشہ کتابِ دل پہ
فرض شناسی جن کی حقیقت کا تھا پتا

خواتین اور بچوں کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے

شوریٰ ہمدرد کے اجلاس میں مقررین کا اظہار خیال

رپورٹ: اصغر علی کھوکھر

ماہ ستمبر میں منعقدہ شوری ہمدرد اجلاس کا موضوع تھا" سیرت نبوی (ص) کی روشنی میں خواتین اور بچوں کا مقام" اس موقع پر مقررین نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ عالم اسلام ہی نہیں دنیا بھر کے لیے مینارائے نور اور فلاح کا راستہ ہے۔آپ کا اسوہ حسنہ صرف عبادات سے متعلق ہی نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔اسی تناظر میں ایک اہم پہلو انسانی معاشرے میں '' خواتین اور بچوں کا مقام'' ہے۔حضور ذات نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ (ص) نے خواتین اور بچوں کے حقوق کی پاسداری پر کتنا زور دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب معاشرہ جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔معصوم بیٹیوں کو پیدائش کے وقت ہی ژندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔جس گھر میں بیٹا پیدا ہوتا اس میں خوشیاں منائی جاتیں اور جس گھر میں بیٹی جنم لیتی اس میں سوگ کا سماں ہوتا۔ بیٹی اگر زندہ درگور ہونے سے بچ بھی جاتی تو بیٹوں کے مقابلے میں گھر میں اسے وہ مقام و مرتبہ حاصل نہ ہوتا جو بیٹوں کو حاصل ہوتا۔ان کی صحت پر خاص توجہ دی جاتی، نہ ان کی تعلیم و تربیت پر، یہی صورت حال عالم شباب میں قدم رکھنے والی اور بڑھاپے کو پہنچنے والی خواتین کی تھی مختصر یہ کہ زمانہ جاہلیت میں خواتین کے لیے ترقی کی منازل طے کرنا تو دور کی بات تھی، یہ مظلوم مخلوق نہ صرف غلامانہ زندگی بسر کرنے مجبور تھی بلکہ اسے بازاری جنس تک سمجھا جاتا تھا۔

خواتین پر رحمت کے دروازے تب کھلے جب عرب معاشرے میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول بن کر تشریف لائے اور دین کی تبلیغ کا کام شروع فرمایا۔اپ (ص) کیتشریف فرما ہوتے ہی کفر، شرک اور جہالت کے بت پاش پاش ہوگئے اور علم کی روشنی چہار سو پھیلنی شروع ہوگئی۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات، جو قرآن کریم کی صورت میں بتدریج نازل ہو رہے تھے کی روشنی میں نہ صرف معاشرے کے مظلوم طبقوں، خاص طور پر خواتین اور بچوں کے حقوق کا تعین فرمایا بلکہ صحابہ کرام کو ان کے حقوق کی پاسداری کی عملاً تربیت دی۔آپ (ص) بچوں سے انتہائی شفقت سے پیش آتے اور ان کے ساتھ کھیلتے۔اپ (ص) خاص طور پر یتیم بچوں کے سروں پر دست شفقت رکھتے اور ہدایت فرماتے کہ یتیم بچوں کا مال اور املاک ان سے ہتھیانے کوشش نہ کی جائے، جو شخص ایسا کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچیوں کی سماجی حیثیت کو واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خواتین کے حقوق کے حوالے سے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔آپ کا فرمان عالیشان ہے کہ بیٹی اللہ کی رحمت ہے۔آپ (ص) نے جائداد میں خواتین کے حصّے کا صراحت سے ذکر فرمایا۔ حدیث مبارکہ ہے کہ بیٹی کی بہتر پرورش کرنا حصول جنت کا ذریعہ ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادات و فرمودات کی روشنی میں معاشرے میں بچوں اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔جو لوگ آج بھی بیٹوں کے مقابلے میں بیٹوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر کم توجہ دیتے ہیں اور جائیدادوں سے ان کا شرعی حصّہ دینے میں حیلے بہانے کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ مالی مفادات سمیٹنے پر توجہ دینے کی بجائے اخروی زندگی سنوارنے کی کوشش کریں۔ قبر میں مال وزر نہیں صرف نیک اعمال ساتھ جائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کا جزبہ عطا فرمائے تا کہ ہمیں روز محشر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو سکے۔آمین ثم آمین یارب العالمین۔

سید قمر رضا، چیئرمین اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن (او پی ایف) کا حالیہ دورہ کویت

بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے لیے بہتر تعلقات اور نئے مواقع پیدا کرنے کے حوالے سے بہترین نتائج کا حامل ہوگا

میاں زبیر شرفی
zubairsharfi@gmail.com

سید قمر رضا، چیئرمین اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن (او پی ایف) کا حالیہ دورہ کویت، یہ دورہ کویت کا ان کا سرکاری دورہ ہے لیکن پھر بھی ہم پر اُمید ہیں بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے لیے بہتر تعلقات اور نئے مواقع پیدا کرنے کے حوالے سے بہترین نتائج کا حامل ہوگا۔

سید قمر رضا کا کویت کا دورہ دو اہم مقاصد پر مرکوز ہوسکتا ہے کویت میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کرنا اور ان کے مسائل کو سمجھنا۔ اس طرح کے دورے اوورسیز پاکستانیوں کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ حکومت ان کی فلاح و بہبود کے لیے سنجیدہ ہے۔ براہ راست رابطے کے ذریعے ان کے مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کیا جا سکتا ہے۔ کویت اور دیگر خلیجی مما لک میں پاکستانیوں کے لیے روزگار کے نئے اور بہتر مواقع تلاش کرنا۔ چونکہ سید قمر رضا کو کاروبار اور بین الاقوامی تعلقات کا وسیع تجربہ حاصل ہے، وہ سرمایہ کاری، تجارتی تعاون اور ہنر مند افرادی قوت کے لیے نئے شعبے کھول سکتے ہیں۔ ان کی کوششیں پاکستان کی معیشت کے لیے قیمتی ترسیلات زر کو بڑھانے میں بھی معاون ثابت ہوں گی۔

سید قمر رضا کی توجہ خاص طور پر مزدوروں کے حقوق پر ہے، جو خلیجی مما لک میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ ان کی کوششوں سے پاکستانی مزدوروں کے لیے بہتر کام کیحالات اور قانونی تحفظ کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

سرمایہ کاری میں اضافہ میں وہ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ ان کے دورے سے کویت میں مقیم پاکستانی کاروباری افراد کو پاکستان میں سرمایہ کاری کے مواقعوں کے بارے میں آگاہی ملے گی۔

ثقافتی اور سماجی تعلقات اس طرح کے دورے نہ صرف معاشی بلکہ ثقافتی اور سماجی تعلقات کو بھی مضبوط بناتے ہیں۔ یہ دونوں مما لک کے درمیان عوام کی سطح پر بہتر تعلقات قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

سید قمر رضا کا یہ دورہ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب پاکستان کو اپنی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔ ان کی قیادت میں او پی ایف پاکستان کی سفارت کاری میں ایک فعال کردار ادا کرے گا اور اُمید ہے کہ یہ دورہ دونوں مما لک کے لیے بہترین نتائج لائے گا۔

چیئرمین او پی ایف کے اس دورے کے دوران حاصل ہونے والی پیش رفت میں اضافی ہوگا۔ اب کویت کی جانب سے پاکستانیوں کے لیے ویزہ پالیسی میں نرمی ہے۔ اس نرمی کے بعد اب پاکستانیوں کے لیے فیملی اور سیاحتی ویزے حاصل کرنا آسان ہو چکا ہے۔ یہ قدم دونوں مما لک کے درمیان عوامی سطح پر تعلقات کو مزید مضبوط بنائے گا۔ پاکستان کا وقار بلند ہوگا اور پاکستان کامیابی کی طرف مزید رواں دواں ہوگا۔ اِنشاءاللہ

کویت پاکستان فرینڈشپ ایسوسی ایشن کے وفد کی وسطی امریکہ کے ممالک کی 204 ویں یومِ آزادی کی منعقدہ تقریب میں شرکت

نکاراگوا، ہنڈرس اور سیلواڈور کے سفراء کو مبارکباد پیش کی

کویت (برجستہ نیوز) کویت کے مقامی ہوٹل میں ہونیوالی تقریب کا آغاز تینوں ملکوں اور کویت کے قومی ترانے بجا کر کیا گیا۔نکاراگوا کے کویت میں سفیر، معالی محمد فرارا لاشتر نے کویتی قیادت کو سراہتے ہوئے کہا کہ کویتی قیادت نے دانشمندانہ سفارت کاری اور سیاسی فہم و فراست کی ایک قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے، جس کی بدولت کویت انسانی خدمت، شراکت برائے بقائے باہمی، اور امن و انصاف کی بھرپور حمایت کا ایک روشن مینار بن چکا ہے۔

کویت میں ہونڈوراس کے سفیر نے اس بات پر زور دیا کہ یومِ آزادی اتحادیوں اور دنیا بھر کے دوست ممالک کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنانے کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔

کویت میں ایل سلواڈور کے سفیر جان کارلوس نے کویت کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا" کویت، جو عالمی سطح پر امن کے فروغ کے لیے پہچانا جاتا ہے، ایک قیمتی شراکت دار ہے جس کے ساتھ ایل سلواڈور مختلف شعبوں میں تعلقات کو مزید گہرا کرنا چاہتا ہے۔

وسطی امریکی ممالک کے درمیان سفارتی یکجہتی اور باہمی تعاون کے ایک نمایاں مظاہرے کے طور پر، کویت نے نکاراگوا، ہونڈوراس اور ایل سلواڈور کے سفارتخانوں کے زیرِ اہتمام ان ممالک کی آزادی کی 204 ویں سالگرہ کی ایک شاندار تقریب کی میزبانی کی۔

کویت پاکستان فرینڈ شپ ایسوسی ایشن کے پیٹرن انچیف مبارک سعدون المطوع کی قیادت میں وفد نے اس پروقار تقریب میں شرکت کی۔ وفد میں صدر کویت پاکستان فرینڈ شپ ایسوسی ایشن رانا اعجاز نے شرکت کی۔

کویت سفارتخانہ پاکستان میں عظیم الشان محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا انعقاد

مقامی نعت خواں حضرات کا ہدیہ عقیدت: ملک وقوم کی ترقی وخوشحالی کیلئے دُعائیں

رپورٹ: محمد عمر کویت

کویت میں سفارتخانہ پاکستان میں گذشتہ روز ایک عظیم الشان محفل میلا دالنبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اہتمام کیا گیا،کویت میں مقیم پاکستانی کمیونٹی نے کثیر تعداد میں اس بابرکت محفل میں شرکت کی،،تقریب کی صدارت عزت مآب سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال نے کی،سفارت خانہ کے کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر نے شرکاء کوخوش آمدید کہا اور نقابت کیلئے حکیم طارق محمود صدیقی کو مائیک پر آنے کی دعوت دی جنہوں نے اپنے مخصوص انداز سے کارروائی کو آگے بڑھایا۔کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جس کی سعادت حافظ عبداللہ اعجاز نے حاصل کی، مقامی نعت خواں حضرات نے ہدیہ عقیدت بحضور سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیش کیا، نعت خواں حضرات اور نمونہ کلام کی تفصیل نذر قارئین ہے:

احمد قمر نظامی

سب سے اولی واعلی ہمارا نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم

حافظ محمد فیصل ریاض

احمد مصطفیٰ مرحبا مرحبا

تقریب میں پاکستانی خواتین نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی، ایک خاتون جمیلہ بشیر نے ہدیہ عقیدت بھی پیش کیا۔

سو بار تباہی کے کنارے پہ مرا ہوں
یہ تیرا کرم ہے جو بکھرنے نہیں دیتا

محمد قمر نظامی

بدر وعلینا---

حاجی عبدالرووف بھٹی،کویت میں مقیم سینئر ترین نعت خواں مقدر جگانے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم آگئے ہیں۔

شاہد منیر قادری

خوشبو ہے دو عالم میں تیری اے گل چیدہ

طارق اقبال

میرے ہونٹوں پہ ذکر مدینہ

نعت خواں حضرات نے مشترکہ طور پر دلوں کو چھو لینے والی نعت،،آیا کملی والا،،پیش کی۔جس کے بعد نعت خواں حضرات نے مل کر سلام پیش کیا۔کمیونٹی کی ممتاز کاروباری و سماجی شخصیت حافظ محمد شبیر،صدر پاکستان بزنس سنٹر کو دعا کیلئے مائیک پر آنے کی دعوت دی گئی،انہوں نے مختصر طور پر محبت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں اظہار خیال کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ محبت کی نوعیت کیا ہونی چاہئے، اس حوالہ سے انہوں نے ایک حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ نے حضرت عمر فاروق سے فرمایا تھا کہ اس وقت تک کسی کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی جان،مال، اولاد سب سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے، حافظ محمد شبیر نے اس موقعہ پر پاکستان اور کویت کی ترقی وخوشحالی کیلئے دعائیں کیں، آخر میں کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

سعودی عرب کا قومی دن، پاکستانیوں کا جوش خروش
عظیم الشان معاہدہ، ٹرمپ پاکستانی قیادت کے گرویدہ
سفارشوں پر منتخب ہونے والی ہماری کرکٹ ٹیم

امیر محمد خان

سعودی عرب میں پاکستانیوں نے ہر شہر میں نہائت جوش خروش سے سعودی عرب کا 95 واں قومی دن منایا۔اس سال سعودی عرب اور پاکستان میں ہونے والے تاریخی معاہدے کے بعد تو جسطرح پاک سعودی دوستی پر پاکستانیوں اور سعودیوں میں جوجوش وخروش پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے۔، ہر مکتبہ فکر کے پاکستانی مشترکہ طور پر خاص طور پر پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان حالیہ معاہدے کے بعد مزید پرجوش انداز میں یہ دن منایا، سعودی عرب کے اردو ریڈیو چینل نے سفیر پاکستان، اور پاکستانی کمیونٹی کے اس موقع پر خصوصی پیغامات نشر کئے، پاکستانیوں کے جانب سے لک پہلی شاندار تقریب جس میں سعودی مہمانوں نے بھرپور شرکت کی وہ حافظ گروپ کے روح رواں مہر عبدالخالق منعقدہ تقریبات میں سعودی مہمانوں نے بھی بھرپور شرکت کی مہر عبدالخالق پاکستان کمیونٹی پاکستان بزنس فورم کے سرگرم ترین شخصیت ہیں وہ خود ایک بہترین کالم نویس بھی ہیں انکے کالم اکثر اخبارات کی زینت ہوتے ہیں شنید ہے کہ پاکستان بزنس فورم کو نہ جانے کیوں پاکستان قونصلیٹ میں پذیرائی نہیں اسلئے وہاں پاکستان قونصلیٹ کا کوئی شخص نظر نہیں آیا، پاکستان کمیونٹی نہ جانے کیوں قونصلیٹ کے افسران کو اپنی تقریبات میں دعوت دیکر اپنی تقریب کو کامیاب سمجھتے ہیں۔ بہرحال مہر عبدالخالق لک کی تقریبکے مہمان خصوصی بہت معتبر شخصیت نائب امام کعبہ السید ابو احمد العتیبی تھے انکے ہمراہ سابق وفاقی وزیر چوہدری شہباز حسین تھے۔تقریب سے ابو احمد العتیبی کے علاوہ، چوہدری شہباز حسین، افضل جٹ، عقیل شہزاد آرائیں، سردار اقبال، ودیگر نے خطاب کیا۔

سعودی مہمانوں کی بڑی تعداد جو پاکستانی اور سعودی عرب کے جھنڈے لہرا رہے تھے ایک تقریب جدہ میں موجود پاکستانی صحافیوں کی تنظیم پاکستان جرنلسٹس فورم، اور پاک میڈیا جرنلسٹس فورم کے اراکین نے سعودی عرب کیلئے دعاؤں کے ساتھ کیک کاٹا، ایک تقریب پاکستان انوسٹرز فورم کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جسکے مہمان خصوصی شہزادہ سعود بین سیف السلا م بن عبدالعزیز تھے قونصل جنرل پاکستان جدہ بھی اس موقع پر موجود تھے رکن قومی اسمبلی اور سابق وزیر اعجاز الحق نے خصوصی شرکت کی تقریب میں بڑے پیمانے مسلم لیگ، اور دیگر جماعتوں کے پاکستانی شامل تھے، پاکستان قونصیلٹ کے افسران کی بھی بڑی تعداد موجود تھی جدہ کی تقریبات میں پاکستان کمیونٹی کے افراد اور سعودی مہمانوں نے خوشی کا اظہار کیا گیا کہ حالیہ پاکستان- سعودی عرب دفاعی معاہدہ نے یوم وطنی کی خوشیوں کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ مقررین نے کہا کہ حرمین شریفین کی حفاظت کی ذمہ داری پاکستان کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے جس پر جتنا شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔تقاریب کے اختتام پر یوم وطنی کا کیک کاٹے گئے اور خادمینِ حرمین شریفین کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ ڈھیر ساری خوشیوں کے درمیان ہندوستان پاکستان کا کرکٹ فائینل میچ آگیا، پرچیوں اور سفارشوں پر منتخب ٹیم نے جو نتیجہ دینا تھا وہ دے دیا، مایوس ترین کارکردگی سے دنیا میں بسے پاکستانیوں کو مایوس کردیا۔

سابق وفاقی وزیر چوہدری شہباز حسین کی جانب سے چوہدری اللہ دتہ وڑائچ کے اعزاز میں پرُتکلف عشائیہ

جدہ میں سابق وفاقی وزیر چوہدری شہباز حسین نے گجرات کی ممتاز سماجی شخصیت اور ماہرِ تعلیم چوہدری اللہ دتہ وڑائچ کے اعزاز میں پرتکلف عشائیے کا اہتمام کیا۔تقریب میں کمیونٹی کی سرکردہ شخصیات کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ چوہدری شہباز حسین نے اپنے خطاب میں کہا کہ اُن کے لیے یہ اعزاز کی بات ہے کہ اُن کے بھائی چوہدری اللہ دتہ وڑائچ عمرہ اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے بعد اُن کے پاس تشریف لائے۔ اس موقع پر چوہدری اللہ دتہ وڑائچ اور اُن کے صاحبزادے سابق مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری اظہر عباس وڑائچ کو پنجاب کی روایت کے مطابق پگ باندھ کر خوش آمدید کہا گیا۔مہمانِ خصوصی چوہدری اللہ دتہ وڑائچ اور چوہدری اظہر عباس وڑائچ نے عزت افزائی پر میزبان کا شکریہ ادا کیا۔

پاکستان سفارتخانہ انقرہ میں عالمی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد

رپورٹ : شبانہ ایاز

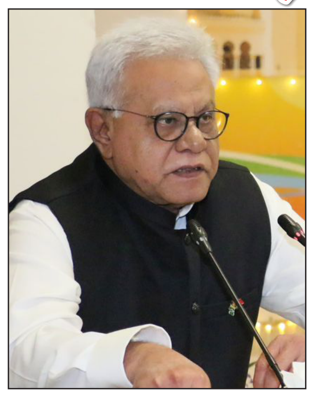

20 ستمبر 2025 کو، انقرہ میں پاکستانی سفارتخانہ نے پاکستان سفارتخانہ انٹرنیشنل اسٹڈی گروپ کے اشتراک سے عالمی سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کانفرنس کا انعقاد کیا، جو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی 1500ویں بابرکت یوم ولادت کی تقریبات کا حصہ تھا۔ یہ تقریب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ، تعلیمات اور عالمگیر امن، رحمت اور انصاف کے پیغام کی عظیم یادگار تھی۔

کانفرنس میں بنگلہ دیش کے سفیر ایم امان الحق، مالدیپ کے سفیر عبدالرحیم، سوڈان کے سفیر نادر یوسف التایب، اور کراچی میں ترکیہ کے سابق قونصل جنرل جناب جمال سانگو سمیت دیگر برادر ممالک (متحدہ عرب امارات، ایران، آذربائیجان، اور مصر) کے سفارت کاروں نے شرکت کی، جو اس تقریب کی عالمی اہمیت کی عکاسی کرتی ہے۔ ممتاز اسکالرز، جن میں پروفیسر ڈاکٹر مرزا اہان ہزال، ڈاکٹر شبان علی دوزگن، اور پاکستان کے سفیر ڈاکٹر یوسف جنید شامل تھے، نے فکر انگیز خطابات کیے۔ انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کو انسانیت کے لیے ایک ابدی رہنما قرار دیا اور ان کی رحمت، ہمدردی، انصاف اور اخوت کی مثالوں کو اجاگر کیا۔ مقررین نے عالمی چیلنجز سے نمٹنے، امن کو فروغ دینے اور باہمی احترام کو مضبوط کرنے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کی اہمیت پر زور دیا۔

تقریب میں روح پرور نعتوں نے ایک پر وقار اور روحانی ماحول کو مزید عظیم بنایا۔ اپنے خطاب میں سفیر ڈاکٹر یوسف جنید نے کہا: ''نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت ایک عظیم رہنمائی ہے۔ یہ ہمیں تنگ نظری سے بالاتر ہو کر انسانیت کے اجتماعی بھلائی کے لیے کام کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ ہمیں دنیا میں امن پھیلانے، سختی کے دور میں رحمت دکھانے، اور ناانصافی کے دور میں انصاف قائم کرنے کا درس دیتی ہے۔''

کانفرنس معاشروں میں ہم آہنگی، رحمت اور اتحاد کو فروغ دینے کے لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات پر عمل کرنے کے عزم کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

چغتائی آرٹ ایوارڈز 2025ء کی انعام تقسیم کی تقریب کا استنبول میں انعقاد

رپورٹ : شبانہ ایاز

پاکستان کے سفارت خانہ ترکیہ کی جانب سے "پاکستان-ترکیہ "دو ریاستیں، ایک قوم" کے موضوع پر منظّم چغتائی آرٹ ایوارڈز 2025 کی انعام تقسیم کی تقریب 18 ستمبر 2025 کو استنبول میں منعقد ہوئی۔ یہ ممتاز تقریب نہ صرف ترکیہ کے نوجوان ہائی اسکول طلبہ کی فنکارانہ صلاحیتوں کے جشن کا اظہار ہے بلکہ پاکستان اور ترکیہ کے درمیان گہرے بھائی چارے کے رشتوں کو بھی اجاگر کرتی ہے جو مشترکہ تاریخ، ثقافت اور باہمی مدد پر مبنی ہیں۔

تقریب کے مہمان خصوصی پاکستان کے سفیر ڈاکٹر یوسف جنید تھے جبکہ استنبول کے نائب گورنر محمد سلون بھی موجود تھے۔ اس تقریب میں فاتح ضلع کے نائب میئر فاتح حسن دورحات، قومی تعلیم کے صوبائی ڈائریکٹر ڈاکٹر مراد مضاحت ییغور، استنبول گورنریشن اور پاکستان قونصل خانے کے افسران، ترکیہ کے وزارت تعلیم کے نمائندے، طلبہ، اساتذہ اور میڈیا کے نمائندے شریک ہوئے۔

اپنے کلیدی خطاب میں، سفیر ڈاکٹر یوسف جنید نے پاکستان اور ترکیہ کے درمیان مثالی بھائی چارہ کے رشتوں پر زور دیا جو مشترکہ اقدار، مشترکہ خواہشات اور باہمی احترام پر استوار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سال کا موضوع "دو ریاستیں، ایک قوم" دونوں ممالک کے درمیان دیرپا اتحاد اور یکجہتی کی روح کو بہترین طریقے سے ظاہر کرتا ہے۔ شریک طلبہ کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کی تعریف کرتے ہوئے، سفیر نے کہا کہ فن ایک طاقتور ذریعہ ہے جو دلوں کو جوڑتا ہے، سرحدوں سے آگے بڑھتا ہے اور دونوں بھائی ممالک کے درمیان عوامی روابط کو مزید مضبوط بناتا ہے۔

نائب گورنر محمد سلون نے اپنے خطاب میں پاکستان اور ترکیہ کے درمیان گہرے تاریخی، ثقافتی اور بھائی چارہ کے رشتوں کی تجدید کی۔ انہوں نے کہا کہ ثقافتی تفہیم کو فروغ دینا اور نوجوانوں کی شمولیت کو بڑھانا دونوں ممالک کے درمیان مثالی رشتوں کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ضروری ستون ہیں۔

استنبول بھر سے ہائی اسکول طلبہ کی جمع کی گئی شاندار فن پاروں کو انعامات دیے گئے جو دونوں ممالک کی مشترکہ شناخت اور خواہشات پر مبنی تھے۔ پہلا انعام تزلا محمد ٹیکراپ اناطولی ہائی اسکول کی طالبہ مس ایف زہیلا عطائسن کو ملا۔ دوسرا اور تیسرا مقام شہید یوزباسی یوسف کنان ایم ٹی اے ایل کی مس زینپ اچکن اور گوکسل باکتاجیر جی ایس ایل کی مس ایلدا ایلدان نے حاصل کیا۔

مزید برآں، اعزازی ذکر بہتین یلدز اناطولی ہائی اسکول کی مس سارہ المحمد علی، چتالجا فن ہائی اسکول کی مس زہرہ اسیہ کیسکین، اور اوراک بہتین یلدز اناطولی ہائی اسکول کی مس سردہ المنتہا کو دیا گیا۔ فاتحین کو سرٹیفکیٹس، ٹرافیوں اور خصوصی تحائف دیے گئے جو دونوں ممالک کے درمیان ثقافتی تبادلے کی علامت تھے، اور ان کے فن پارے ایک نمائش میں پیش کیے گئے جن کی شرکت کنندگان نے بہت تعریف کی۔

یہ ایوارڈز پاکستان کے عظیم فنکار عبد الرحمٰن چغتائی (1897–1975) کے نام پر رکھے گئے تھے، جو جدید جنوبی ایشیائی فن کے نوآبادی ہیں۔ لاہور میں پیدا ہونے والے چغتائی نے "چغتائی اسٹائل" تیار کیا جو مغل منی ایچر روایات، فارسی اثرات، اسلامی خطاطی، آرٹ نووو اور مشرقی عناصر کا امتزاج ہے۔ اسلامی تاریخ، مغل بادشاہوں اور پنجابی، فارسی، ہندوستانی-اسلامی افسانوں سے متاثر

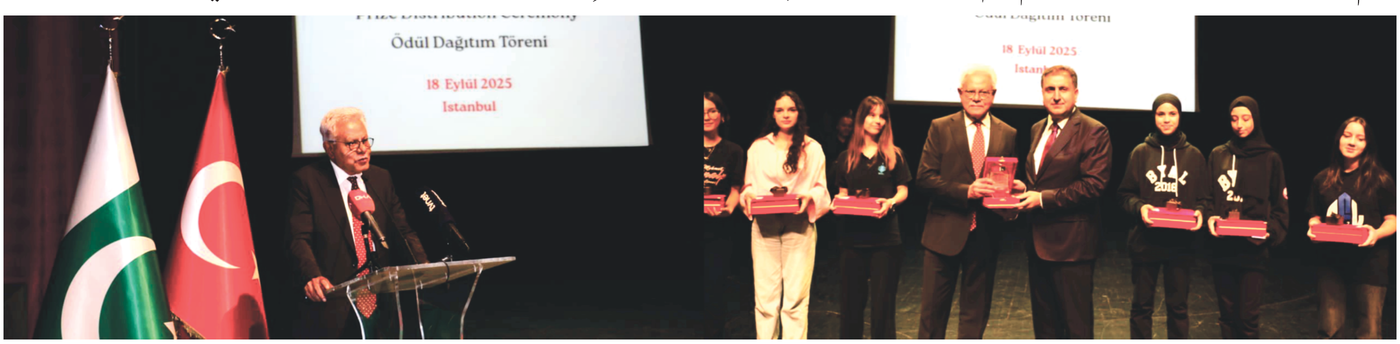

انہیں برطانوی سلطنت سے خان بہادر کا خطاب (1934)، پاکستان سے ہلال امتیاز (1960) اور پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ (1958) ملا۔ ان کی تخلیقات، بشمول پاکستان کے ٹکٹوں اور پی ٹی وی لوگو کے ڈیزائن، لندن کے وکٹوریا اینڈ البرٹ میوزیم، برٹش میوزیم اور اسلام آباد کی نیشنل آرٹ گیلری میں موجود ہیں۔

2011 میں پاکستان کے سفارت خانہ ترکیہ نے ترکیہ کی وزارت قومی تعلیم کے تعاون سے یہ مقابلہ شروع کیا اظہار کو فروغ دیا جائے۔ مقابلہ انقرہ (2011–2012) سے شروع ہوا، پھر قونیہ، برصہ، بیتلیس (2019)، ادنا ("2022—پاکستان-ترکیہ سفارتی تعلقات کے 75 سال" کے موضوع پر)، ازمیر، اور اب 2025 میں استنبول میں منعقد ہوا۔ ان برسوں میں ہزاروں طلبہ نے شرکت کی، موضوعات جیسے "پاکستان کی نشانیاں" اور بھائی چارہ پر، جو تعلیمی اور ثقافتی روابط کو مضبوط بناتے ہیں۔

ایوارڈز کو ترکیہ کی ثقافتی دارالحکومت تک پھیلاتی ہے اور نوجوانوں پر مبنی تعاون کو گہرا کرتی ہے۔ جیسا کہ سفیر جنید نے کہا، یہ اقدامات فنکارانہ صلاحیتوں کا جشن مناتے ہیں اور پاکستان-ترکیہ کی ناقابلِ شکست شراکت کو مزید مستحکم کرتے ہیں، جو تاریخی باہمی مدد کی مثالیں جیسے ترکیہ کی کشمیر کی حمایت اور پاکستان کی ترک قبرص کی حمایت سے واضح ہے۔ تقریب پاکستانی اور ترکیہ کی تازہ نوشتے سے بھرپور ثقافتی استقبال کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

نوٹنگھم میں ڈاکٹر نثار ترابی کیساتھ ایک یادگار شام کا انعقاد

تقریب میں ادیبوں، شاعروں اور محبانِ ادب نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور ڈاکٹر نثار ترابی کے فن و شخصیت پر مفصل گفتگو کی

ہندوستان کے بزرگ شاعر سلیم شیرازی نے تقریب کی صدارت کی، ڈاکٹر ترابی کی ادبی خدمات کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا گیا

جاوید عنایت، لیسٹر (برطانیہ)

لیسٹر/ برطانیہ (جاوید عنایت) برطانیہ کے شہر نوٹنگھم میں ادبی تنظیم "بزمِ ادب" (چیئر پرسن زینب بخاری) کے زیرِ اہتمام پاکستان سے تشریف لائے معروف شاعر و نقاد ڈاکٹر نثار ترابی کے ساتھ ایک شام کا انعقاد کیا گیا۔ اس تقریب میں ادیبوں، شاعروں اور محبانِ ادب نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور ڈاکٹر نثار ترابی کے فن و شخصیت پر مفصل گفتگو کی۔ تقریب کی صدارت ہندوستان کے بزرگ شاعر سلیم شیرازی نے کی، جنہوں نے اس موقع پر ڈاکٹر ترابی کی ادبی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر نثار ترابی کے شاگرد اور معروف شاعر علی ارمان نے اپنے خطاب میں زمانہ؟ طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی زندگی کا سنہری دور وہ تھا جب وہ ڈاکٹر ترابی سے علم حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ڈاکٹر نثار ترابی 10 اکتوبر 1961 کو ضلع اٹک (کیمبل پور) پاکستان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے اور بی ایڈ جبکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل (اردو) کیا۔ وہ گورنمنٹ کالج آف کامرس راولپنڈی میں شعبہ اردو کے استاد بھی رہے۔ ان کی تصانیف میں "بارات گلابوں کی" (ماہیوں کا مجموعہ) اور "ہر صدا مسافر ہے" (غزلوں کا مجموعہ) شامل ہیں۔ تقریب میں ڈاکٹر غافر شہزاد نے ڈاکٹر نثار ترابی کے تنقیدی کام پر تفصیلی روشنی ڈالی اور مختلف مثالوں کے ذریعے ان کے کام کے پہلوو؟ں کو اجاگر کیا۔ ڈاکٹر غافر شہزاد خود ایک ممتاز شاعر، ادیب اور ماہر تعمیرات ہیں جنہوں نے 2011 میں فن تعمیر میں پی ایچ ڈی حاصل کی۔ اس موقع پر دیگر شعرا میں اے ایم تبسّم، باصر کاظمی، صابر رضا اور صدرِ محفل سلیم شیرازی نے بھی ڈاکٹر ترابی کی شاعری پر اظہارِ خیال کیا اور ان کے منتخب اشعار پیش کیے۔ تقریب میں مشاعرہ بھی منعقد ہوا جس میں نوٹنگھم اور برطانیہ کے مختلف شہروں سے آئے شعرا نے اپنا کلام پیش کیا۔ ان میں شمائلہ عمران، جاوید اقبال، ڈاکٹر قرار خان، عفت نثار، مسرت طارق، نیلمانہ ناصر (سیکریٹری بزمِ ادب)، زینب بخاری، سعدیہ سیٹھی، فرزانہ خان، مسعود احمد، اے ایم تبسّم کے ساتھ ساتھ دیگر مہمان شعرا بھی شامل تھے۔ بیرونِ شہروں سے عاشق جعفری (بیڈفورڈ)، ڈاکٹر ثاقب ندیم (برمنگھم)، گلناز کوثر (کوونٹری)، شارق خان، طاہر حفظ، صابر رضا، باصر کاظمی (مانچسٹر)، عروج واسطی (برسٹل)، سرفراز تبسّم (لیسٹر)، ڈاکٹر غافر شہزاد (پاکستان) اور ادبی و ثقافتی تنظیم "ہراول" کے بانی علی ارمان (لندن) نے بھی شرکت کی۔ تقریب کے اختتام پر پر تکلف عشائیے کا اہتمام کیا گیا جس میں شریک مہمانوں کی بھرپور تواضع کی گئی۔

سجنو تے مترو!...سجن پیاریو!

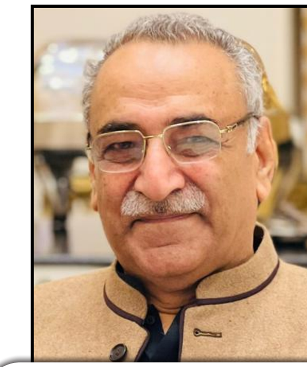

تحریر: مدثر اقبال بٹ

سجنو تے مترو!

مریم نواز دے پنجاب دے حوالے نال دتے گئے بیانات مگروں پیپلز پارٹی دے اوہناں سیاستداناں نوں بڑیاں ای مرچاں لگ رہیاں نیں، جیہڑے ہمیشہ توں پنجاب بارے بغض رکھدے رہے تے ایس دھرتی دی لوکائی نوں مندا بولدے رہے۔ پہلوں اک نمونے آکھیا کہ جد تیکر مریم نواز معافی نہیں منگدی اوہدوں تیکر پیپلز پارٹی کسے قنون سازی وچ حصہ نہیں لوے گی۔ خیر اج دے بیانات ہور وی کئی پنجاب دشمناں ولوں آئے پر سچی گل ایہہ ہے کہ اصل تکلیف پنجاب دی آواز سامنے آون دی اے۔ ایس توں پہلاں پنجاب گونگا سی، ایہدے حقاں دی گل کوئی نہیں سی کردا۔ جیہڑے سیاستدان سن اوہناں نوں سب توں زیادہ عزیز اپنے سیاسی مفاد تے سرکاراں سن۔

انج ای ساڈی اسٹیبلشمنٹ نے وی پنجاب نوں تختہ مشق بنا کے سیاسی جماعتاں توڑیاں تے اُساریاں۔

جنوبی پنجاب محاذ ہووے یا اجیہیاں ہور جماعتاں جنھاں اسٹیبلشمنٹ دی بیڑی وچ بہہ کے سیاست دا دریا پار کرن دا آہر کیتا، اوہناں نوں ویلے دے نال نال لوکائی نے ہمیشہ مسترد کر دتا۔ تسیں پیپلز پارٹی ول ویکھ لوو، ایہہ اوہ جماعت سی جیہدی نینہ لہور وچ رکھی گئی۔ لہور ای اوہ شہر سی جنھے بھٹو دی دھی بینظیر دا اجیہا استقبال کیتا کہ اج وی ساڈی سیاسی تریخ اوہدیاں مثالاں دیندی اے۔ میں آپ پیپلز پارٹی دا اہم عہدیدار رہیا۔ گوجرانوالے دا جنرل سیکرٹری ہون پاروں میں مارشل لا دی سرکار نوں اپنے جمہوریت پسند ہون دا مُل تاریا۔ قید کٹی، ظلم برداشت کیتا پر اپنی بنیاد نہیں چھڈی۔

جس نظریے دی مٹی اُتے کھلوتا ساں، اوتھے ای کھلوتا رہیا۔ میرے نال جنھاں لوکاں قید کٹی اوہناں وچ جہانگیر بدر سنے اوہ سیاستدان وی سن جنھاں بعد دے وچ وڈے عہدے لئے، الیکشن لڑے تے کامیاب وی ہوئے۔ پر میں کدی وی پیپلز پارٹی کولوں اپنی قربانی دا صلہ نہیں منگیا۔ ذوالفقار علی بھٹو، مرتضیٰ بھٹو تے بینظیر سنے ایس فیملی دے لوکاں نال ملاقاتاں وی رہیاں تے ذاتی جان پچھان دا رشتہ وی قائم رہیا۔ پر کوئی ایہہ گل نہیں کر سکدا کہ میں کسے کولوں وی کوئی مفاد لیا ہووے۔ اپنی ذات لئی فائدہ لیا ہووے یا فیر کدی سیاسی قیادت دا بوہا کھڑکا کے کوئی ڈیمانڈ رکھی ہووے۔

میری جرأت صرف تے صرف نظریے نال سی، اوہ نظریہ جیہڑا عام بندے نوں اوہدے حقاں لئی کھلون دی ترغیب دیندا سی۔ اوہ نظریہ جیہڑا روٹی، کپڑا تے مکان دا نعرہ بنا کے ذوالفقار علی بھٹو نے ایس قوم دی تقدیر بنا دتا۔ میں پیپلز پارٹی نوں اوہدوں چھڈ یا جدوں بی بی شہید نے پنجاب تے سندھ وچکار وِتھ پاؤنی شروع کیتی۔ جد اوہناں نے ایہہ سوچ لیا کہ میں صرف سندھ دی دھی آں، پنجاب تے پنجابی میرے توں دور نیں۔ اوہناں جیویں پنجاب لئی زبان استعمال کیتی فیر میرے جیہے نظریاتی کارکن دا اجیہی جماعت وچ رہنا کیویں ممکن ہو سکدا سی۔ سو میں اپنی ساری سیاسی زندگی تے قربانیاں نوں پنجاب نال عشق دے نظریے اُتے وار کے سُٹ دتا۔ میں سمجھدا ہاں کہ پیپلز پارٹی دا زوال اوسے دن شروع ہو گیا سی جد ایہدی قیادت نے پنجاب دے خلاف مندا بولنا شروع کیتا۔ پنجاب تے سندھ وچ فرق رکھ کے ایہہ تاثر دین دی کوشش کیتی کہ جیویں ایس دھرتی نے بھٹو یا بینظیر نال وفا نہیں نبھائی۔ حالانکہ وفا تے قربانی جیویں پنجابی نے دتی اوہدی مثال تہانوں ہور کسے تھاویں گھٹ ای لبھے گی۔

سجن پیاریو!

پیپلز پارٹی نے ایہہ فیصلہ کر لیا سی کہ اوہنے قومی سیاست دی تھاویں صرف اور صرف سندھ دی سیاست نوں ترجیح دینی اے۔ جد پنجاب تے پنجابی نے ایہہ رویہ ویکھیا تے فیر اوہنے پیپلز پارٹی نوں بُری طرح مسترد کیتا۔ بی بی شہید ہوئی تے پنجابیاں اک واری فیر اپنی پرانی محبت نوں زندہ کر کے پیپلز پارٹی نوں اقتدار دتا۔

پر پیپلز پارٹی ولوں پنجاب دی ونڈ دا اجیہا نعرہ لایا گیا جنھے ایس سیاسی قوت کولوں پنجابیاں نال اجیہی نفرت کروا دتی، جیہدا حل اج وی پیپلز پارٹی تے اوہدی سیاست قیادت لبھدی پھردی اے۔ پر ایہہ حل لبھ نہیں رہیا۔ پیپلز پارٹی نے صرف اور صرف گیلانی خاندان تے چند ہور جاگیرداراں دی سیاست بچاؤن لئی پنجاب وچ اپنا وجود، داء تے لا دتا۔ ایہو وجہ اے کہ اوہنوں اپنی بقا دی جنگ لڑنی پے رہی اے۔ قمر زمان کائرہ ورگے سمجھدار تے سُچے سیاستدان وی پیپلز پارٹی دی پنجاب دشمنی دا دفاع نہیں کر سکدے۔ انج ای اعتزاز احسن جیہا نظریاتی سیاستدان ذلیل ہو کے انتخابی سیاست وچوں نکلیا۔ حالانکہ میں سمجھدا ہاں کہ چوہدری منظور، قمر زمان کائرہ تے اعتزاز احسن جیہے لوگ ساڈی پارلیمانی سیاست لئی بڑی اہمیت رکھدے نیں۔ پر کیہ کریے کہ ایہہ اوہ سیاسی قیادت دے پچھے کھلوتے نیں جیہڑی پنجاب تے پنجابی دے خلاف انج۔۔۔ گلاں کردی اے جیویں ایہہ کوئی ثواب دا کم ہووے۔ ایہدے باوجود کہ پنجاب وچوں پیپلز پارٹی دا سیاسی جنازہ نکل چکیا اے، بلاول یا زرداری عقلوں انھے ہو کے اپنیاں غلطیاں نوں سدھارن دی سوچ نہیں رکھدے۔

سجنو تے مترو!

مریم نواز نے پنجابی حقاں دی گل کر کے اوہ خلا پُر کر دتا اے جیہڑا ایس دھرتی اُتے پچھلے 78 ورھیاں توں موجود سی۔ اوہناں گومگو یا گول مول گل دی بجائے کھل کھلا کے پنجاب دے حقاں دی گل کیتی اے۔ پیپلز پارٹی اج وی اوتھے کھلوتی اے جتھے اوہدوں کھلوتی سی، جد پنجاب دی لوکائی نے ووٹاں دے زور اُتے ایہدا پوری طرح مکو ٹھپ دتا سی۔ ہن جے کر پنجاب وچ اک واری فیر پیپلز پارٹی اپنا وجود قائم کرنا چاؤندی اے تے فیر لازمی طور اُتے اوہنوں پنجابیاں دی سوچ دے نال اپنا نظریے دا دیوا بالنا پئے گا۔ نہیں تے اوہ سندھ دی اک علاقائی جماعت بن کے اوتھوں مال پانی تے اکٹھا کر سکدی اے پر کدی وی قومی جماعت ہون دا دعویٰ نہیں کر سکدی۔ انج ای پی ٹی آئی وی جد تیکر کھل کھلا کے پنجاب دے حوالے نال گل نہیں کردی، اوہدوں تیکر نواز لیگ دا متبادل نہیں ہو سکدا۔ ہن ملکی سیاست جس پاسے جا رہی اے اوہدے وچ پنجاب دا مُڈھلا کردار ہووے گا۔ جیہڑا سیاستدان یا سیاسی جماعت پنجاب دی گل کرے گا، لوکائی اوہدے پچھے کھلووے گی۔ ہن پنجاب کدے وی اوس لیڈر نوں تسلیم نہیں کرے گا جیہدے دل وچ پنجاب لئی بغض ہووے۔ پنجاب دی لوکائی اُنج وی دوجے صوبیاں دی نسبت بہت ذہین تے سیاسی بصیرت رکھن والی اے۔ تسیں کسے وی تھاویں رنگ بازی کر کے لوکاں دیاں ہمدردیاں لے سکدے او پر پنجابی نوں تسیں سیاسی حوالے نال چکمہ نہیں دے سکدے۔

ایہہ شعور تے فہم و فراست رکھن والیاں دی دھرتی اے جتھے لوکاں نے انھے وا کدے وی ووٹ نہیں پایا۔

ایہہ غلام نہیں بلکہ آزاد لوک نیں جیہڑے اپنے مستقبل دا فیصلہ آپ کردے نیں۔ بہرحال اج دے ویلے دا سیاسی منظرنامہ ویکھیے تے اوہدے وچ مریم نواز سب توں نمایاں ہو کے سامنے آ رہی اے۔ میں ایہدا اسباب نا تے کارکردگی سمجھدا ہاں تے نہ ای کوئی ہور وجہ اے، مریم نواز نے اجیہے ویلے وچ پنجاب دا مقدمہ لڑن دا فیصلہ کیتا اے جس ویلے پنجابی اپنی قیادت لبھ رہے ہے۔ مریم نے ایس موقعے تے فیدہ وی چکیا تے ثابت وی کیتا کہ چنگا سیاستدان ایس انتظار وچ رہندا اے کہ کدوں اوہنوں سیاسی چھکا مارن دا موقع ملے تے اوہ بغیر وقت ضائع کیتیو اپنا ہدف حاصل کر لووے۔ مریم نواز نے نہ صرف انتظار کیتا بلکہ ویلے سر سامنے آ کے اوہ حق وی ادا کر دتا جیہڑا نواز لیگ اُتے قرض سی۔

اسیں اوہدوں تیکر مریم نواز دی آواز وچ آواز رلاؤندے رہواں گے جد تیکر اوہ ساڈے دیس دا مقدمہ انج ای لڑدی رہوے گی۔ ایہدے نال نال میں تحریک انصاف نوں وی آکھاں گا کہ کجھ خدا دا خوف کرو، پنجاب ہن خالی عمران خان دے نعرے اُتے تہاڈے نال نہیں ٹرن لگا۔ جے کر تسیں چاؤندے او کہ پنجاب وچ تہاڈا ووٹ بینک قائم رہوے تے فیر تہانوں وی اوہو سوچ اختیار کرنی پئے گی جیہڑی سوچ پنجاب دا عام آدمی رکھدا اے۔

کوئی دوغلی پالیسی نہیں چلے گی، تے نہ ای پنجاب مخالف سیاست دا کوئی وجود رہے گا۔ جے پنجاب وچ سیاست کرنی اے تے فیر پنجابی ہو کے گل کرنی پئے گی۔ نہیں تاں پنجابی نہ تے تہانوں برداشت کرن گے تے نہ ای تہاڈی سیاست نوں۔

پنجابی تہاڈی نفرت تے تمام تر چالاکیاں نوں اک لمحہ ضائع کیتیوں بغیر وقت دے کوڑے دان وچ سُٹ دین گے۔

سجن پیاریو!

انج ای سیاسی گلاں وی ہُندیاں رہن گئیاں تے دیس پنجاب دا مقدمہ وی لڑدے رہواں گے۔

اج لئی ایناں ای

فیر ملاں گے تے وچار سانجھے کراں گے۔

اجازت دیو! رب راکھا

گزرا جو وقت اچھا وہ سارا بھلا گیا
وہ میری زندگی سے اچانک چلا گیا
اس کی بہو نے بیٹے پہ قبضہ جما لیا
ہاتھوں سے بوڑھے باپ کے اس کا عصا گیا
بیٹی ہو فاطمہ سی نواسا حسین ہو
نانا کے دین پہ سارا جو کنبہ لٹا گیا
پہلے سخن کی بستی اجاڑی سکون سے
پھر اس پہ اپنے نام کا جھنڈا لگا گیا
لفظوں کی میں نے اپنے یہ قیمت وصول کی
وہ میری پوری ذات کو آنسو بنا گیا
شہ رگ سے بھی زیادہ وہ میرے قریب ہے
میرا خدا یہ کان میں مجھ کو بتا گیا
جنگل میں بھی ہوا کا مجھے آسرا رہا
خود سے مرے خدا نے نہ مجھ کو جدا کیا
سینے میں اس کی دھڑکنیں سنتی رہی سدا
وہ شخص دل میں، جان میں ایسے سما گیا
آنکھوں میں اس نے چھوڑا نہ میری کوئی بھی اشک
حصے کے میرے آنسو وہ سارے بہا گیا
جس نے کہا تھا آخری دم تک کھڑا ہے وہ
مشکل پڑی تو مجھ سے وہ دامن چھڑا گیا
سرمہ سمجھ کے جس کو لگایا تھا آنکھ میں
غیروں کے سنگ بن کے وہ کالی گھٹا گیا
اک میں ہی ہوں کہ جھولی تو جس کی نہ بھر سکا
کوئی بھی تیرے در سے نہ خالی گدا گیا
نفرت تھی اس قدر کہ مجھے مارنے کے بعد
ہندہ کی طرح میرا کلیجہ چبا گیا
ہر راستے نے مجھ کو دکھایا اسی کا گھر
راہوں میں میری اپنی جو نظریں بچھا گیا
جو سر کا تاج تھا وہی تاراج ہوگیا
پھر اس کے بعد مجھ سے بھلا کب جیا گیا
مسکان میرے ہونٹوں کی سب اس نے چھین لی
یوں جاتے جاتے اپنی نشانی مٹا گیا

ہر میری میٹھی بات کا اس نے دیا جواب
چبھتے ہوئے سوال پہ نظریں جھکا گیا
در پہ گدا جو آیا وہ لوٹا جو خالی ہاتھ
ایسا لگا کہ ہاتھ سے میرا خدا گیا
چوما تھا اس نے ہاتھ مرا سب کے سامنے
اتنی سی بات کا بھی وہ احساں جتا گیا
آنکھوں سے اس کی اشک جو ٹپکے مرے لیے

ان آنسوؤں میں دل بھی وہ میرا بہا گیا
نظروں سے تونے اپنی چلائے جو مجھ پہ تیر
تیری نظر کا ہر وہ نشانہ خطا گیا
اس کو مناتی رہتی ہے ہر روز خواب میں
مرنے سے پہلے اس کا جو شوہر خفا گیا
وہ جس کے پاس قوت گویائی ہی نہ تھی
بن کے وہ رب کے عرش پہ میری دعا گیا
جس راستے پہ مجھ کو مرا مل سکے خدا
وہ جاتے جاتے مجھ کو وہ رستہ دکھا گیا
آنکھوں کے جس کی جل ہی نہ پائے کبھی چراغ
کتنے ہی دیپ راہوں میں میری جلا گیا
اک بادشاہ آ کے فقیروں کے درمیاں
سب اپنی سلطنت کا خزانہ لٹا گیا

شاعرہ: ثمینہ منال

وہ جانتا تھا پلکوں پہ رکھا میں اشک ہوں
اپنی نظر سے آکے وہ مجھ کو گرا گیا
اس نے سکھائے مجھ کو سبھی راز زندگی
یوں مجھ کو کائنات کی کنجی تھما گیا
اس کو بتا سکی نہ بچھڑنے کی وجہ میں
جو زندگی کو غم کا ترانہ بنا گیا
میں نے بھی لب پہ رکھی ہوئی بات ٹال دی
وہ بھی کوئی فضول بہانہ بنا گیا
دشمن کی خیر مجھ کو نہ پہچان تھی کبھی
وہ مجھ کو دوستوں کا بھی چہرہ دکھا گیا

مہندی تمہارے نام کی کب راس آسکی
ہاتھوں سے میری سارا ہی رنگ حنا گیا
دو پل ہی پاس بیٹھا تھا میرے کوئی فقیر
مجھ کو بھی اپنی طرح سے منگتا بنا گیا
وہ جس کی زندگی میں کہانی کوئی نہ تھی
وہ مجھ کو زندگی کی کہانی سنا گیا
پیروں تلے سے اس کے کھسکنے لگی زمیں
جب اس کے گھر سے اس کے ہی گھر کا بڑا گیا
نفرت کی میرے دل میں وہ بنیاد بن گئی
مجھ سے تمہارے بارے میں جو بھی کہا گیا
جس نے کسی بھی آنکھ کو آنسو نہیں دیے
جب مر گیا تو ساری ہی دنیا رلا گیا
اس نے شکم کی بھوک کے بدلے میں موت لی
وہ اپنے ساتھ بچے بھی اپنے سلا گیا
چھینی زمین جس سے کہ باقی رہے نہ نقش
اپنے وہ پیر پانی پہ آکے جما گیا

☆☆☆☆☆☆☆

تو نے اشک دیئے ہرجائی
جب بھی تیرے پاس میں آئی
جس نے پیار کی ریت نبھائی
اس کو ملی ہے گہری کھائی
میں نے اپنا آپ گنوایا
تیرے دل میں جگہ نہ پائی
تو نے مجھ کو جہاں پہ چھوڑا
میں اس موڑ سے مڑ نہ پائی
تو نے پیار کی دولت بخشی
مجھ سے لے لے پائی پائی
میں نے اس کا ہاتھ جو مانگا
اس نے اپنی جان چھڑائی
میں نے نام لیا نہ اس کا
جس نے مجھ کو دی رسوائی
تیری جانب میں تو پلٹی
تھوڑی ہوش جو مجھ کو آئی
میں نے قدر نہ تیری جانی
کر لی تجھ سے ہاتھا پائی
تو تو ہنسی کا تھا اک تاجر
میں کیوں آنسو لے کے آئی
شاید پھر وہ ہمیں ملائے
جس نے دنیا گول بنائی

☆☆☆☆☆☆☆

ساغرِ صدیقی مالی مشکلات اور دُنیاوی بے حسی کا شکار شاعر

تحریر و تحقیق: علی حیدر شیخ

ساغرِ صدیقی (پیدائشی نام محمد اختر) (1928 کو امرتسر (انبالہ) میں پیدا ہوئے اور 19 جولائی 1974 کو لاہور میں وفات ہوئے) اردو زبان کے پاکستانی شاعر تھے۔

اصل خاندان ان کا انبالے سے تھا اور وہ پیدا بھی انبالے میں ہوئے۔ سال 1964ء کا تھا۔ گھر میں ہر طرف افلاس اور نکبت کا دور دورہ تھا۔ ایسے میں تعلیم کا کیا سوال! محلے میں ایک بزرگ حبیب حسن رہتے تھے، انھیں کے پاس جانے آنے لگے۔ جو کچھ پڑھا انھیں سے اس کے بعد شاید ورنیکلر مڈل کے کچھ درجے بھی پاس کر لیے ہوں۔ ایک دن انھوں نے اس ماحول سے تنگ آ کر امرتسر کی راہ لی اور یہاں ہال بازار میں ایک دکان دار کے ہاں ملازم ہو گئے جو لکڑی کی کنگھیاں بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ انھوں نے بھی یہ کام سیکھ لیا۔ دن بھر کنگھیاں بناتے اور رات کو اسی دکان کے کسی گوشے میں پڑے رہتے۔ لیکن شعر وہ اس 14، 15 برس کے عرصے میں ہی کہنے لگے تھے اور اپنے بے تکلف دوستوں کی محفل میں سناتے بھی تھے۔ شروع میں تخلص ناصر مجازی تھا لیکن جلد ہی اسے چھوڑ کر ساغر صدیقی ہو گئے۔

ساغر کی اصل شہرت 1944ء میں ہوئی۔ اس سال امرتسر میں ایک بڑے پیمانے پر مشاعرہ قرار پایا۔ اس میں شرکت کے لیے لاہور کے بعض شاعر بھی مدعو تھے۔ ان میں ایک صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ "لڑکا" (ساغر صدیقی) بھی شعر کہتا ہے۔ انھوں نے منتظمین سے کہہ کر اسے مشاعرے میں پڑھنے کا موقع دلوا دیا۔ ساغر کی آواز میں بلا کا سوز تھا اور وہ ترنم میں پڑھنے میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ بس پھر کیا تھا، اس شب اس نے صحیح معنوں میں مشاعرہ لوٹ لیا۔

قدرتاً اس کے بعد امرتسر اور لاہور کے مشاعروں میں اس کی مانگ بڑھ گئی۔ اب اس نے کنگھیاں بنانے کا کام چھوڑ دیا اور بعض سرپرست احباب کی مدد سے اپنا علم اور صلاحیت بڑھانے کی کوشش کی۔ مشاعروں میں شرکت کے باعث اتنی یافت ہو جاتی تھی کہ اسے اپنا پیٹ پالنے کے لیے مزید تنگ و دو کی ضرورت نہ رہی۔ گھر والے بے شک ناراض تھے کہ لڑکا آوارہ ہو گیا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا۔ لیکن اسے ان کی کیا پروا تھی، اس نے گھر آنا جانا ہی چھوڑ دیا۔ کلام پر اصلاح لینے کے لیے لطیف انور گورداسپوری مرحوم کا انتخاب کیا اور ان سے بہت فیض اٹھایا۔

1947ء میں پاکستان بنا تو وہ امرتسر سے لاہور چلا گیا۔ یہاں دوستوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کا کلام مختلف پرچوں میں چھپنے لگا۔ سینما فلم بنانے والوں نے اسے گیتوں کی فرمائش کی اور اسے حیرت ناک کامیابی ہوئی۔ اس دور کی متعدد فلموں کے گیت ساغر کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں اس کے سب سے بڑے سرپرست انور

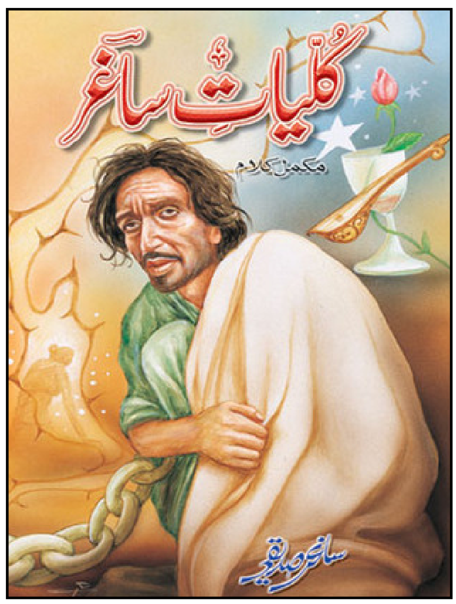

کمال پاشا (ابن حکیم احمد شجاع مرحوم) تھے۔ جو پاکستان میں فلم سازی کی صنعت کے بانیوں میں ہیں۔ انھوں نے اپنی بیشتر فلموں کے گانے ساحر سے لکھوائے اور یہ بہت مقبول ہوئے۔

1947ء سے 1952 تک ساغر کی زندگی کا زرّیں دور کہا جا سکتا ہے۔ وہ لاہور کے کئی روزانہ اور ہفتہ وار پرچوں سے منسلک ہو گیا، بلکہ بعض جریدے تو اسی کی ادارت میں شائع ہوتے رہے۔ لیکن اس کے بعد شامت اعمال سے حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ کہیں کا نہ رہا اور اخیر میں صحیح معنوں میں مرقع عبرت بن گیا۔

1952ء کی بات ہے کہ وہ ایک ادبی ماہنامے کے دفتر میں بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے سردرد اور اضمحلال کی شکایت کی۔ پاس ہی ایک اور شاعر دوست بھی بیٹھے۔ انھوں نے تعلق خاطر کا اظہار کیا اور اخلاص ہمدردی میں انھیں مارفیا کا ٹیکہ لگا دیا۔ سردرد اور اضمحلال تو دور ہو گیا لیکن اس معمولی واقعے نے ان کے جسم کے اندر نشہ بازی کے تناور درخت کا بیج بو دیا۔ بدقسمتی سے ایک اور واقعے نے اس رجحان کو مزید تقویت دی۔

اس زمانے میں وہ انارکلی لاہور میں ایک دوست کے والد (جو پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے) مطب کی اوپر کی منزل میں رہتے تھے۔ اسی کمرے میں ان کے ساتھ ایک دوست بھی مقیم تھے (اب نام کیا لکھوں) ان صاحب کو ہر طرح کے نشوں کی عادت تھی۔ ہوتی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ان کی صحبت میں ساغر بھی رفتہ رفتہ اولا بھنگ اور شراب اور ان سے گذر کر افیون اور چرس کے عادی ہو گئے۔ اگر کوئی راہ راست سے بھٹک جائے اور توفیق ایزدی اس کی دستگیری نہ کرے، تو پھر اس کا تحت الثری سے ادھر کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

یہی ساغر کے ساتھ ہوا اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خود ان کے دوستوں میں سے بیشتر ان کے ساتھ ظلم کیا۔ یہ لوگ انھیں چرس کی پڑیا اور مارفیا کے ٹیکے کی شیشیاں دیتے اور ان سے غزلیں اور گیت لے جاتے، اپنے نام سے پڑھتے اور چھپواتے اور بحیثیت شاعر اور گیت کار اپنی شہرت میں اضافہ کرتے۔ اس کے بعد اس نے رسائل اور جرائد کے دفتر اور فلموں کے اسٹوڈیو آنا جانا چھوڑ دیا۔ اس میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کہ اداروں کے کرتا دھرتا اس کے کام کی اجرت کے دس روپے بھی اس وقت ادا نہیں کرتے تھے، جب وہ ان کے در دولت کی چوکھٹ پر دس سجدے نہ کرے۔ اس نے ساغر کے مزاج کی تلخی اور دنیا بے زاری اور ہر وقت "بے خود" رہنے کی خواہش میں اضافہ کیا اور بالکل آوارہ ہو گیا۔ نوبت بایں رسید کہ کبھی وہ ننگ دھڑنگ ایک ہی میلی کچیلی چادر اوڑھے اور کبھی چیتھڑوں میں ملبوس، بال بکھرائے ننگے پانو۔۔۔۔ منہ میں بیڑی یا سگریٹ لیے سڑکوں پر پھرتا رہتا اور رات کو نشے میں دھت مدہوش کہیں کسی سڑک کے کنارے کسی دکان کے تھڑے یا تخت کے اوپر یا نیچے پڑا رہتا۔

اب اس کی یہ عادت ہو گئی کہ کہیں کوئی اچھے وقتوں کا دوست مل جاتا تو اس سے ایک چونی طلب کرتا۔ اس کی یہ چونی مانگنے کی عادت سب کو معلوم تھی چنانچہ بار بار ایسا ہوا کہ کسی دوست نے اسے سامنے سے آتے دیکھا اور فوراً جیب

سے چونّی نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ پاس پہنچے اور علیک سلیک کے بعد مصافحہ کرتے وقت چونی ساغر کے ہاتھ میں چھوڑ دی۔ وہ باغ باغ ہو جاتا۔ یوں شام تک جو دس بیس روپے جمع ہو جاتے، وہ اس دن کے چرس اور مارفیا کے کام آتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جنوری 1974ء میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اس کا علاج بھی چرس اور مارفیا سے کیا گیا۔ فالج سے تو بہت حد تک نجات مل گئی، لیکن اس سے دایاں ہاتھ ہمیشہ کے لیے بے کار ہو گیا۔ پھر کچھ دن بعد منہ سے خون آنے لگا۔ اور یہ آخر تک دوسرے تیسرے جاری رہا۔ ان دنوں خوراک برائے نام تھی۔ جسم سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ اب وہ دن دور نہیں جب وہ کسی سے چونی نہیں مانگے گا۔ چنانچہ 19 جولائی 1974ء صبح کے وقت اس کی لاش سڑک کے کنارے ملی اور دوستوں نے لے جا کر اسے میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کر دیا۔

نے غزل، نظم، قطعہ، رباعی، ہر صنف سخن میں خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے وہ خود تو اسے کیا چھپواتا، ناشروں نے اپنے نفع کی خاطر اسے چھاپ لیا اور اسے معاوضے میں ایک حبّہ تک نہ دیا۔ چھ مجموعے اس کی زندگی میں لاہور سے چھپے۔ غم بہار، زہر آرزو (1946ء)، لوح جنوں ([1971ء) اور سبز گنبد اور شب آگئی (1972ء) یقین ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو ایک اور مجموعے کا مواد بآسانی مہیّا ہو سکتا ہے۔ ساغر کا کلام بہت جاندار ہے اور زندہ رہنے کا مستحق۔

یہاں ساغر کی زندگی کا ایک واقعہ قلم بند کر رہا ہوں، جس سے مشہور یونانی فلسفی دیو جانس کلبی کی روایت تازہ ہوتی ہے:

اکتوبر 1958ء میں پاکستان میں فوجی انقلاب میں محمد ایوب (ف: اپریل 1974ء) برسر اقتدار آ گئے اور تمام سیاسی پارٹیاں اور سیاست داں جن کی باہمی چپقلش اور رسہ کشی سے عوام تنگ آ چکے تھے۔ حرف غلط کی طرح فراموش کر دیے گئے۔ لوگ اس تبدیلی پر واقعی خوش تھے۔ ساغر نے اسی جذبے کا اظہار ایک نظم میں کیا ہے، اس میں ایک مصرع تھا:

کیا ہے صبر جو ہم نے، ہمیں ایوب ملا

یہ نظم جرنیل محمد ایوب کی نظر سے گذری یا گزاری گئی۔ اس کے بعد جب وہ لاہور آئے تو انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں اس شاعر سے ملنا چاہتا ہوں جس نے یہ نظم لکھی تھی۔ اب کیا تھا! نفاذ قانون کے ادارے (پاکستان) اور خفیہ پولیس اور نوکر شاہی کا پورا عملہ حرکت میں آ گیا اور ساغر کی تلاش ہونے لگی۔ لیکن صبح سے شام تک کی پوری کوشش کے باوجود وہ ہاتھ نہ لگا۔ اس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ تو تھا نہیں، جہاں سے وہ اسے پکڑ لاتے۔ پوچھ گچھ کرتے کرتے سر شام پولیس نے اسے پان والے کی دکان کے سامنے کھڑے دیکھ لیا۔ وہ پان والے سے کہہ رہا تھا کہ پان میں قوام ذرا زیادہ ڈالنا۔ پولیس افسر کی باچھیں کھل گئیں کہ شکر ہے ظلّ سبحانی کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ انھوں نے قریب جا کر ساغر سے کہا کہ آپ کو حضور صدر مملکت نے یاد فرمایا ہے۔ ساغر نے کہا:

بابا ہم فقیروں کا صدر سے کیا کام! افسر نے اصرار کیا، ساغر نے انکار کی رٹ نہ چھوڑی۔ افسر بے چارا پریشان کرے تو کیا کیونکہ وہ ساغر کو گرفتار کر کے تو لے نہیں جا سکتا تھا کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا اور اسے کوئی ایسی ہدایت بھی نہیں ملی تھی، جرنیل صاحب تو محض اس سے ملنے کے خواہش مند تھے اور ادھر یہ "پگلا شاعر" یہ عزت افزائی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اب افسر نے جو مسلسل خوشامد سے کام لیا، تو ساغر نے زچ ہو کر اس سے کہا:

ارے صاحب، مجھے گورنر ہاؤس میں جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے کیا دیں گے۔ دو سو چار سو، فقیروں کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ جب وہ اس پر بھی نہ ٹلا تو ساغر نے گلوری کلے میں دبائی اور زمین پر پڑی سگرٹ کی خالی ڈبیا اٹھا کر اسے کھولا۔ جس سے اس کا اندر کا حصہ نمایاں ہو گیا۔ اتنے میں یہ تماشا دیکھنے کو ارد گرد خاصی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ ساغر نے کسی سے قلم مانگا اور اس کاغذ کے ٹکڑے پر یہ شعر لکھا:

ہم سمجھتے ہیں ذوق سلطانی
یہ کھلونوں سے بہل جاتا ہے

یا یہ شعر تھا

جس عہد میں لٹ جائے فقیروں کی
اس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی

ساغر صدیقی بقلم خود

اور وہ پولیس افسر کی طرف بڑھا کر کہا: یہ صدر صاحب کو دے دینا، وہ سمجھ جائیں گے اور اپنی راہ چلا گیا:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

AL MAALIK ART GROUP
LAHORE - PAKISTAN
+92-311-149-1458
www.almaalikartgroup.com
ADEEL AHMAD KHAN
CEO

- BUSINESS CARD
- FAVOR BOX
- BROCHURS
- TISSUE BOX
- POSTER
- CAPS
- CERTIFICATES
- BOOKS & COPIES
- TEA MUG
- STICKERS
- ENVELOPES
- PEN
- WEDDING CARDS
- FILE FOLDER
- FLYERS
- PRICE TAG
- GOODIE BAGS
- FLEX STANDEE
- PVC CARDS
- KEY CHAIN

حکیم حارث نسیم سوہدروی

تبدیلی موسم کے اثرات اور احتیاطیں

وقت کا ہوائی گھوڑا لمحوں کی روش پر ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے۔ یہ روانی گرمی کو سردی، سردی کو گرمی، بہار کو خزاں اور خزاں کو بہار کے رنگوں میں تبدیل کرتی رہتی ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہی چار موسم ہوتے ہیں۔ ہر موسم کے اپنے تقاضے، اپنی خوبصورتی اور رنگینی ہوتی ہے۔ ہر موسم اپنے اندر اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ موسم کی مناسبت سے جسم انسانی کی طبعی اور فطری ضرورتیں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ غذا، لباس اور طرز زندگی بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔ موسم سرما کے بعد موسم بہار پھر موسم گرما اور پھر خزاں کا موسم اور پھر لوٹ کر موسم سرما آجاتا ہے۔ اس طرح موسم اپنے معمول کے مطابق بدلتے ہیں۔ البتہ ہر موسم کے درجہ حرارت کے مطابق تقاضے ہوتے ہیں۔ اور انسان ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے۔

جب موسم بہار کے بعد موسم گرما آتا ہے تو جسم انسانی فطری طور پر رد عمل رہتا ہے۔ اور اس موسم میں ہلکی غذا، سادہ اور باریک لباس اور ٹھنڈی آب و ہوا کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس لیے بدلتا موسم جسم میں تبدیلیاں چاہتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو طبیعت میں بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ مرغن اور گرم اشیاء تلخی کا سبب بنتی ہیں۔ جب کہ ہلکی اور سادہ غذا جسم کی ضروریات پورا نہیں کرتیں۔ اس طرح موسم کے ناموافق اثرات سے صحت جسم متاثر ہوتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موسم گرما سے موسم سرما اور موسم سرما سے موسم گرما کا درمیانی عرصہ صحت کے حوالے سے جسم میں پیچیدگیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر موسم کی تبدیلی کے اثرات سے جسم کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہم اپنی جسم کی ضروریات اور موسمی تقاضوں میں توازن کی کوشش کریں۔ جسے موسم سردی سے گرمی کی طرف مائل ہو تو فوراً ہی نمی اور ٹھنڈک کی طرف نہ جائیں۔ جسے پنکھے کی ہوا اور ٹھنڈے پانی اور ہلکے کپڑوں کا استعمال ہے۔ ایسا مکمل موسم بدلنے پر مئی کے بعد کرنا چاہیے۔ اگرچہ مارچ / اپریل کا موسم جسے بہار کا موسم بھی کہا جاتا ہے۔ میں مرطوب ہوا دل افروز اور مسحور کن ہوتی ہے۔ مگر صحت کے حوالے سے ہوا کی نمی اور خنکی مضر بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ٹھنڈا پانی بھی جسم کے لیے تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ مگر جسم کا درجہ حرارت متوازن نہ ہونے کی وجہ سے بخار، جسمانی ٹوٹ پھوٹ اور اضمحلال جیسی کیفیت کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ باقاعدہ موسم گرما کے

شروع ہونے تک نیم گرم پانی سے غسل کیا جائے۔ موسم کی اس تبدیلی کے دوران اگر احتیاط نہ کی جائے تو نزلہ زکام، ورم حلق، موسمی بخار، کھانسی، الرجی، اور نظام ہضم کے مسائل ہو سکتے ہیں۔ ان میں نزلہ زکام اور فلو کثرت سے ہونے والے مسائل میں سے ہیں۔ آج کل تو یہ وبائی اور وائرل مرض کے طور پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ جن کا مدافعتی نظام کمزور ہوتا ہے۔ وہ جلد اس کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس لیے ان سے محفوظ رہنے کے لیے جسم کے مدافعتی نظام کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔ بدلتے موسم کو کچا پکا موسم بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی مکمل سردی ہوتی ہے اور نہ گرمی۔ اس طرح عدم توازن کا رویہ صحت جسم کو مسائل کا شکار کرسکتا ہے۔ جن میں سستی، کاہلی اور تھکاوٹ نمایاں ہیں۔ مطب کے مشاہدات کے مطابق ورم حلق کی وجہ سے نزلہ زکام، فلو اور کھانسی کی علامات سامنے آتی ہیں، اور بچے اور بوڑھے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مدافعتی نظام کمزور ہوتا ہے۔ ورم حلق کی وجہ سے یہ ہوتی ہے کہ حلق کی نالیاں حساس اور نازک ساخت کی ہوتی ہیں اور تھوڑی سی بے احتیاطی جس طرح گرم، سرد، ترش اور چکنی اشیاء سے مستورم ہوکر نزلہ، زکام، فلو اور کھانسی کے حملے کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس کے لیے درج ذیل نسخہ بہت موثر ثابت ہوا ہے۔ بہدانہ تین گرام، عناب پانچ دانے، سپستاں (لسوڑیاں) تین گرام اور ملٹھی تین گرام کا جوشاندہ بنا کر پینا مفید ہے۔ بخار کی صورت میں خاکسی تین گرام کا اضافہ کر لیا جائے، گرم، تلی ہوئی، ترش اور ٹھنڈی اشیاء سے پرہیز کیا جائے۔ بڑا گوشت، بینگن، دال مسور، ضرورت سے زیادہ چائے، کافی اور قہوہ سے احتیاط کی جائے۔ کولا مشروبات، بیکری اور تیز مصالحہ جات سے پرہیز کریں۔ ہلکی غذا لیں، دیسی چوزہ کی یخنی، چربی سے صاف بکرے کے گوشت اور چنوں کا شوربہ مفید ہے۔ کھچڑی اور جو کا دلیہ بھی فائدہ مند ہے۔ ادرک والی چائے کا استعمال کریں۔ بلغم کی صورت میں دودھ سے پرہیز کریں۔ سائیکل یا موٹر سائیکل چلاتے وقت مکمل گرمی کا موسم آنے تک گرم کپڑوں کا استعمال جاری رکھیں۔ خاص کر صبح اور شام اس کا اہتمام ضرور کریں۔ جاتی سردی اور آتی سردی سے بچاو کے لیے بچوں اور بوڑھوں کو خاص کر احتیاط کرنی چاہیے کہ ان کا مدافعتی نظام کمزور ہوتا ہے۔ اگر علامات برقرار رہیں تو جلد معالج سے رجوع کریں۔

اِسلام میں اِنسانی ہمدردی اور معاونت کا تصور

ڈاکٹر مفتی احمد رضا

قرآن وسنت میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ حاجت مند کی مدد کرنے والا اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔ پاکستان کے اہلِ ثروت اور اداروں کے لیے یہ ایک موقع ہے کہ وہ اپنی دولت، وقت اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سیلاب زدہ بھائیوں کی زندگیوں کو دوبارہ سنواریں۔

2025 کا سیلاب پاکستان میں ایک انتہائی تباہ کن آفت ثابت ہو رہا، جس کے ابتدائی اثرات بہت وسیع اور شدید ہیں۔ مون سون کی شدید بارشوں، بادل پھٹنے (cloudbursts)، اور دریاؤں میں طغیانی کے نتیجے میں ملک بھر میں 800 سے زائد اموات کی تصدیق ہو چکی ہے اور ہزاروں افراد زخمی ہوئے ہیں۔ اندازاً 15 لاکھ سے 20 لاکھ تک افراد اپنے گھروں سے بے گھر ہو کر محفوظ مقامات یا ریلیف کیمپوں میں منتقل ہونے پر مجبور ہوئے ہیں۔ خیبر پختونخوا، پنجاب اور سندھ کے کئی اضلاع سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں، جہاں سڑکیں، پُل، اور ہزاروں مکانات مکمل یا جزوی طور پر تباہ ہو گئے ہیں۔ اس آفت کا سب سے بڑا نشانہ زرعی شعبہ بنا ہے، پنجاب میں چاول، کپاس اور گنے کی فصلوں کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا ہے، جو خوراک کی سیکیورٹی اور ملکی معیشت کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے۔ انفراسٹرکچر کی بڑے پیمانے پر تباہی نے امدادی سرگرمیوں کو بھی مشکل بنا دیا ہے، جبکہ متاثرہ علاقوں میں صاف پانی کی قلت اور خراب صفائی ستھرائی کے باعث بیماریوں کے پھیلنے کا خدشہ بڑھ گیا ہے۔۔ یہ مضمون سیلاب زدہ علاقوں کی ویلفیئر کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا تجزیہ پیش کرتا ہے، خاص طور پر عصرِ حاضر کے پاکستانی سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

اسلام میں انسانی ہمدردی

اسلام میں معاونت، صدقہ، زکوٰۃ اور خیرات کو صرف ایک اخلاقی فضیلت نہیں بلکہ عبادت اور ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جس نے مال دے کر پاکیزہ کیا، اور اس کے دل میں کوئی فائدہ یا ستائش کی خواہش نہیں رکھی، تو اس کا بدلہ صرف اللہ کے پاس ہے۔"

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ مالی معاونت کا مقصد نہ تو دکھاوے کی خاطر ہونا چاہیے، نہ ہی اس میں کوئی خودغرضی شامل ہونی چاہیے۔ بلکہ یہ ایک عبادت ہے جس کا بدلہ اللہ کے ہاں ہے۔

نیز، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص کسی مسلمان کی ضرورت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی ضرورتیں پوری کرے گا۔"

یہ حدیث ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ مصیبت میں مبتلا افراد کی مدد کرنا صرف ایک سماجی ذمہ داری نہیں، بلکہ ایک الٰہی وعدہ ہے جس کا انجام آخرت میں بھی نیکی کی صورت میں ہوگا۔

سیلاب زدہ علاقوں کی معاونت کے عملی پہلو

سیلاب کے بعد متاثرین کو فوری اور طویل المدت دونوں قسم کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذیل میں ان پہلوؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے ذریعے اہلِ ثروت اور مخیّر حضرات سیلاب زدگان کی مدد کر سکتے ہیں:

فوری ریلیف کی فراہمی

سیلاب کے فوری بعد سب سے اہم ضرورت خوراک، صاف پانی، دوائیں، کپڑے اور عارضی پناہ گاہوں کی ہوتی ہے۔ اسلام میں "ضرورت کی فوری تسکین" کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جو فاقہ زدہ کو سیر کر دے۔"

اس لیے، فوری ریلیف کی فراہمی ایک ایسی عبادت ہے جس میں وقت کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اہلِ ثروت چاہیں تو ذاتی طور پر ریلیف کیمپ لگا سکتے ہیں یا قابل اعتماد این جی اوز کے ذریعے مالی امداد فراہم کر سکتے ہیں۔

طویل المدت بحالی اور تعمیر نو

فوری ریلیف کے بعد، سیلاب زدگان کو مستقل گھروں، سکولوں، ہسپتالوں، زرعی آلات اور روزگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام میں "مستقل فائدہ پہنچانا" کو بہت افضل قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جس سے آدمی کو مستقل فائدہ پہنچے۔"

اس لیے، صرف کھانا دینا کافی نہیں، بلکہ متاثرین کو روزگار کے ذرائع فراہم کرنا، گھروں کی تعمیر میں مدد کرنا، اور زرعی زمینوں کی بحالی میں حصہ لینا بھی ایک عظیم اجر کا کام ہے۔

تعلیمی اور صحت کی سہولیات

سیلاب کے بعد بچوں کی تعلیم متاثر ہوتی ہے اور صحت کے مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ اسلام میں تعلیم کو فرض قرار دیا گیا ہے، اور صحت کی حفاظت کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ اس لیے، سیلاب زدہ علاقوں میں عارضی سکول قائم کرنا، اساتذہ

کی خدمات حاصل کرنا، اور موبائل ہیلتھ یونٹس کی فراہمی بھی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

نفسیاتی اور سماجی معاونت

سیلاب نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی اور جذباتی طور پر بھی لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ خاص طور پر خواتین اور بچوں میں ڈپریشن، خوف اور بے چینی عام ہو جاتی ہے۔ اسلام میں "آپس میں محبت، رحم اور ہمدردی" کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"رحم کرنے والوں پر رحم کیا جاتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو، تاکہ آسمان والے تم پر رحم کریں۔"

اس لیے، صرف مالی معاونت ہی کافی نہیں، بلکہ متاثرین کے ساتھ وقت گزارنا، ان کی بات سننا، اور انہیں حوصلہ دینا بھی ایک اہم فریضہ ہے۔

عصرِ حاضر میں پاکستان کی صورتحال اور اہلِ ثروت کی ذمہ داری

پاکستان میں سیلاب کے بعد کی صورتحال انتہائی نازک ہے۔ حکومتی وسائل محدود ہیں، اور بین الاقوامی امداد کا عمل بھی سست رفتار ہے۔ ایسے میں، اہلِ ثروت کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔

آج کے دور میں، پاکستانی معاشرے میں دولت کی غیر مساوی تقسیم ایک حقیقت ہے۔ کچھ لوگ اربوں روپے کے مالک ہیں، جبکہ لاکھوں افراد دو وقت کی روٹی کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ اسلام اس غیر مساوات کو ختم کرنے کے لیے زکوٰۃ جیسے مؤثر نظام کو فرض کیا ہے۔

زکوٰۃ صرف ایک مالی فریضہ نہیں، بلکہ معاشرے میں توازن قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ سیلاب جیسی قدرتی آفت کے وقت، زکوٰۃ کا استعمال سیلاب زدگان کی مدد کے لیے نہ صرف جائز بلکہ انتہائی مستحسن ہے۔

علاوہ ازیں، اہلِ ثروت کو چاہیے کہ وہ صرف زکوٰۃ دینے تک محدود نہ رہیں، بلکہ نفلی صدقات، وصیتیں، اور خیرات کے ذریعے بھی معاونت کریں۔ آج کے دور میں، سوشل میڈیا کے ذریعے بھی لوگوں تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔ ایک اچھی مہم چلانا، اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو متحرک کرنا، اور قابلِ اعتماد تنظیموں کی حمایت کرنا بھی ایک عظیم کارنامہ ہے۔

اگر ہم اسلامی اصولوں کو سیلاب زدگان کی مدد کے لیے رہنما سمجھیں، تو چند اہم نکات سامنے آتے ہیں:

1. شفافیت اور ذمہ داری: اسلام میں مال کی تقسیم میں امانت داری کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس لیے، جو شخص مدد کر رہا ہے، اسے یقینی بنانا چاہیے کہ اس کا مال صحیح لوگوں تک پہنچ رہا ہے۔

2. وقت کی اہمیت: اسلام میں "وقت کی قدر" کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ سیلاب کے بعد پہلے 72 گھنٹے "گولڈن ہاورز" کہلاتے ہیں، جن میں فوری مدد زندگی بچا سکتی ہے۔

3. احسان کا جذبہ: مدد کرتے وقت "احسان" کا جذبہ ہونا چاہیے، نہ کہ دکھاوے یا سیاسی فوائد کے لیے۔

4. مستقل حل کی تلاش: اسلام میں "وقتی حل" سے زیادہ "مستقل حل" کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے،

صرف کھانا دینے کے بجائے، لوگوں کو روزگار دینا، گھر دینا، اور تعلیم دینا زیادہ اجر کا باعث ہوگا۔

عملی صورتیں

سیلاب سے متاثرہ افراد کے لیے سب سے پہلی ضرورت مالی معاونت کی ہوتی ہے۔ ان کے گھر، کھیت، مویشی اور روزگار کے ذرائع ختم ہو جاتے ہیں، اس لیے اہل ثروت کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کے ذریعے فوری طور پر ان کی مالی مدد کریں۔

سیلاب کے دنوں میں لوگ اپنے گھروں سے محروم ہو جاتے ہیں اور خیموں میں پناہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان حالات میں خیمے، بستر، کپڑے، برتن اور خاص طور پر پینے کا صاف پانی فراہم کرنا بنیادی ضرورت ہے۔ اسی طرح خوراک کے پیکٹس، خشک راشن اور ادویات متاثرہ علاقوں تک پہنچانا ایک بڑی نیکی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اہل خیر کی چھوٹی سی کاوش بھی کسی خاندان کے لیے زندگی اور موت کے بیچ کا سہارا بن جاتی ہے۔

آلودہ پانی اور گندگی کی وجہ سے ہیضہ، ڈینگی اور ملیریا جیسی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ ان حالات میں میڈیکل کیمپس قائم کرنا، دواؤں اور حفاظتی ٹیکوں کی فراہمی، اور ماہر ڈاکٹرز و نرسز کی ٹیمیں متاثرہ علاقوں میں بھیجنا ایک اہم خدمت ہے۔ یہ اقدامات نہ صرف جانیں بچاتے ہیں بلکہ متاثرین کو یہ احساس بھی دلاتے ہیں کہ معاشرہ ان کے دکھ درد میں شریک ہے۔

تعلیمی نظام بھی سیلاب سے بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ جب سکول و مدارس پانی میں بہہ جاتے ہیں یا ان کے کمروں کو عارضی پناہ گاہ بنا دیا جاتا ہے تو بچوں کی تعلیم کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، سیلاب زدگان کو نفسیاتی اور اخلاقی سہارا بھی درکار ہوتا ہے۔ لوگ جب اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں تو مایوسی اور بے بسی میں گھر جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں صرف مالی یا مادی امداد کافی نہیں بلکہ متاثرین کے ساتھ وقت گزارنا، ان کی بات سننا اور انہیں حوصلہ دینا بھی بڑی خدمت ہے۔ قرآن کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کے ذریعے ان کے دلوں کو تسلی دینا ان کی ہمت بڑھاتا ہے اور انہیں دوبارہ زندگی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

سیلاب زدہ علاقوں کی مدد کرنا صرف ایک سماجی فریضہ نہیں، بلکہ ایک ایمانی تقاضا ہے۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ جب کوئی مسلمان بھوکا ہو، تو ہمارا پیٹ بھرنا حرام ہے۔ جب کوئی بے گھر ہو، تو ہمارا آرام حرام ہے۔ پاکستان کی موجودہ صورتحال ہم سب کے لیے ایک امتحان ہے۔ اہلِ ثروت کے لیے یہ ایک موقع ہے کہ وہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں لگا کر اپنے ایمان کو مضبوط کریں، اور معاشرے میں انصاف اور ہمدردی کا نظام قائم کریں۔

آخر میں، یاد رکھیں کہ:

"جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا مسلمان کی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مدد فرمائے گا۔"

آئیے، ہم سب مل کر سیلاب زدگان کے ساتھ کھڑے ہوں، نہ صرف اپنے مال سے، بلکہ اپنے دلوں سے بھی۔ کیونکہ اسلام میں، انسانیت کی خدمت ہی اللہ کی عبادت ہے۔

گڑیا کا گڈو

محمد ذوالقرنین حیدر

میں آپ کو بتاتی ہوں گڈو میرا دوست کیسے بنا ایک دن اماں نے مجھے سبزی لانے کے لیے بھیجا گڈو اپنے گھر کے باہر ٹافیاں بیچ رہا تھا مجھے ٹافی کھانی تھی میں نے گڈو سے کہا مجھے ٹافی دیدو میں کل پیسے دیدونگی اس نے مجھے ٹافی دے دی اور پیسے بھی نہیں لیے پھر ہم دونوں دوست بن گئے۔ میرا نام گڑیا ہے اور میں اس وقت ہسپتال کے کوریڈور میں بیٹھی ہوئی ہوں سناٹا ہے، زمین بھی ٹھنڈی ہے۔ میری اماں پریشان ہوگی میں گھر نہیں گئی مگر کوئی بات نہیں صبح چلی جاؤنگی اماں مارے گی مار کھالونگی۔ مگر گڈو اسے کیسے چھوڑ کر چلی جاؤں مگر آپ کو کیا پتا گڈو کون ہے؟ میں آپ کو بتاتی ہوں گڈو کون ہے؟ گڈو میرا دوست، ہم راز ہے سب کچھ ہے وہ مجھے بھٹہ لا کر دیتا تھا، قلفی کھلاتا تھا، ڈھیر ساری باتیں کرتا تھا۔ میں آپ کو بتاتی ہوں گڈو میرا دوست کیسے بنا ایک دن اماں نے مجھے سبزی لانے کے لیے بھیجا گڈو اپنے گھر کے باہر ٹافیاں بیچ رہا تھا مجھے ٹافی کھانی تھی میں نے گڈو سے کہا مجھے ٹافی دیدو میں کل پیسے دیدونگی اس نے مجھے

ٹافی دے دی اور پیسے بھی نہیں لیے پھر ہم دونوں دوست بن گئے۔ مگر ہمارا علاقہ بہت گندا ہے وہاں جگہ جگہ کچرے کا ڈھیر ہے۔ ہم دونوں پھاٹک کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے تھے گڈو پیسے گنتا تھا اور میں اس سے باتیں کرتی تھی۔

ایک دن ہم دونوں گھر واپس آرہے تھے راستے میں کچرا تھا میں اور گڈو کچرے میں سے بچ کر چل رہے تھے مگر پھر بھی پتا نہیں کیسے گڈو کے پاؤں میں کچرے میں سے کچھ چبھ گیا اور وہ لنگڑا کر چلنے لگا اس کے پاؤں میں سے خون رسنے لگا وہ میں نے اپنے دوپٹے سے صاف کر دیا مگر گڈو پھر بیمار رہنے لگا ڈاکٹر کہتے ہیں اسے ایڈز ہے وہ مرجائے گا۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے گڈو مرجائے۔ میں ٹھنڈے فرش پر بیٹھ کر دعا کر رہی ہوں میری دعا قبول ہوگی گڈو نہیں مرے گا۔۔ پیارے بچو! آپ بھی کہے نہ گڑیا کا گڈو زندہ رہے گا اسے کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں! شاید گڈو زندہ رہے۔

محسن نقوی، عاقب جاوید، سلمان آغا، شکست کھلے دل سے تسلیم کریں

اسپورٹس مین اسپرٹ، کسی Sportsman میں ہی پیدا ہوسکتی ہے

پاکستانی کرکٹ کو مفاد پرستوں سے نجات دلانا ہوگی

تحریر: محمد عمر، کویت

کرکٹ میں ہار جیت لازم وملزوم ہیں جو آج مسلسل جیت رہے ہیں، کبھی مسلسل ہارتے رہے ہیں اور جو آج بار بار ہار رہے ہیں، کسی زمانہ میں چیمپئن ہوا کرتے تھے، ان پر یہ یہ برا وقت کیوں آیا، یہ الگ موضوع ہے لیکن ہار جیت کو کھلے دل سے تسلیم کرلینا ہی سپورٹس مین اسپرٹ ہے، بدقسمتی سے پاکستانی کرکٹ اس وقت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے، وہ اسپورٹس مین اسپرٹ سے مکمل طور پر عاری ہیں، محسن نقوی کرکٹ بورڈ کے چیئرمین کس طرح بنے، کیوں بنے، یہ ہر کوئی جانتا ہے، جو بندہ اسپورٹس مین ہی نہیں، اس میں اسپورٹس مین اسپرٹ کہاں سے آئے گی، عاقب جاوید 25 ٹیسٹ کی 50 اننگز میں 54 وکٹیں حاصل کرکے بابر اعظم، محمد رضوان جیسے کھلاڑیوں کی قسمت کے فیصلے کر رہے ہیں، سلمان آغا، 6 ٹی ٹونٹی میں مجموعی طور پر 50 رنز بنا کر کپتان بنے گئے، ایشیا کپ میں صفر، 7، 5، 13 اور 20 کی کارکردگی سو سے بھی کم اسٹرائیک ریٹ۔۔۔ ایسے لوگوں سے اسپورٹس مین اسپرٹ کی توقع کرنا ہی فضول ہے، سب سے افسوس ناک کردار، سوشل میڈیا کا ہے جو اس،، ٹرائیکا،، کی نااہلی کو چھپانے کی مضموم کوشش کر رہا ہے، پاکستان، انڈیا سے پہلا میچ ہارا تو ٹیم کی کارکردگی پر تبصرہ کرنے کی بجائے اس بات کو لے کر بیٹھ گئے کہ انڈین کپتان نے ان سے ہاتھ کیوں نہیں ملایا، اور پہلے میچ کی شکست ہاتھ نہ ملانے میں ہی جھپ گئی، آپ کرکٹ کھیلنے گئے ہیں یا ہاتھ ملانے، انڈیا سے دوسرے مرحلہ کا پہلا میچ بھی ہار گئے تو فخر زمان کے آوٹ کو لے کے بیٹھ گئے، میچوں میں ایک آدھ فیصلہ ایسا ہو جاتا ہے، کرکٹ میں یہ نہیں ہوتا کہ یوں نہ ہوتا تو یوں ہو جاتا، انڈین کھلاڑیوں نے 4 کیچز گرائے، صاحبزادہ فرحان اور فہیم اشرف کو صفر صفر اور صائم ایوب کو 4 کے انفرادی اسکور پر مواقع ملے، اگر یہ کیچز پکڑ لئے جاتے تو کیا ہوتا، سب جانتے ہیں کہ محسن نقوی کے ہوتے ہوئے عاقب جاوید اور سلمان آغا کو کچھ نہیں ہوگا، میچز ہارنے سے افسوس ان کا ہوتا ہے جو کچھ بھی کر نہیں پاتے، کرکٹ شائقین سے درخواست ہے کہ وہ بھی پریشان ہونا چھوڑ دیں، پیر واصف علی واصف رح کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کا ایک مرید بہت پریشان بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو مرید نے جواب دیا کہ ملک کے حالات بہت خراب ہوگئے ہیں تو پیر صاحب نے پوچھا تم نے خراب کئے ہیں؟ جواب ملا نہیں، کیا ان حالات کو ٹھیک کر سکتے ہو، پھر وہی جواب، نہیں، تو پیر صاحب نے فرمایا،، چپ کر کے چاہ پی،، (خاموش رہو اور چائے پیو، تو کرکٹ شائقین سے بھی یہی سوال ہے کہ اس قدر ناقص ٹیم آپ لوگوں نے سلیکٹ کی ہے؟ کیا آپ لوگ، ان کی کارکردگی بہتر بنا سکتے ہیں، جواب نہیں ہے، تو پیر واصف علی واصف رح کی بات یاد کریں اور چائے پیئیں، کھیل میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے، لیکن گذشتہ دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے کرکٹ کا شوق رکھنے والے ہر شخص کو غم زدہ کر دیا، ٹونٹی ٹونٹی فارمیٹ نے دنیا میں کرکٹ کی شکل ہی بدل کر رکھ دی ہے، ماضی قریب تک کرکٹ ایک تکنیک کا نام تھا لیکن اب وہ کھلاڑی چھا گئے جن کو کرکٹ کی الف ب، بھی پتہ نہیں، وہ صرف بلا گھمانا جانتے ہیں، انتہائی افسوس ناک امر یہ ہے کہ یہ بلا گھمانے والے، عالمی معیار کے کھلاڑیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو کرکٹ کا کچھ نہیں پتہ، ایسے اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ، گذشتہ دنوں پاکستانی کھلاڑی حارث خان نے بابر اعظم کے بارے میں کہے، حالانکہ حارث خان نے مجموعی طور پر اتنے میچ نہیں کھیلے جتنی بابر اعظم نے ٹی ٹونٹی میں سنچریاں اور نصف سنچریاں بنا رکھی ہیں، کرکٹ بورڈ کے چیئرمین سے گذارش ہے کہ ان کھلاڑیوں کو کرکٹ تو نہیں سکھا سکے، کم از کم تمیز سکھا دیں، ٹی ٹونٹی کے آخری پانچ اوورز باؤلرز پر بڑے بھاری ہوتے ہیں، ان اوورز میں کھلاڑی ہر گیند، میدان سے باہر بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں، سینئر باولرز یہ حربہ اختیار کر رہے ہیں کہ اپنے اوورز، آخری اوورز، جنہیں ڈیتھ اوورز کا نام دیا گیا ہے، سے پہلے ہی مکمل کر لیتے ہیں اور ان اوورز کیلئے نئے اور ناتجربہ کار کھلاڑیوں کو گیند تھما دیتے ہیں، ایسا ہی کچھ، افغانستان اور سری لنکا کے درمیان میچ میں دیکھنے کو ملا، سری لنکا کی ٹیم پہلے بیٹنگ کر رہی تھی، جب میچ میں صرف 8 گیندیں باقی تھیں تو سری لنکا کا اسکور صرف 134 تھا، افغان کھلاڑی محمد نبی بیٹنگ کر رہے تھے جو اس ٹورنامنٹ کے سینئر ترین کھلاڑی ہیں، وہ بنیادی طور پر ایک اسپنر ہیں، نچلے نمبروں پر بیٹنگ کرتے ہوئے بس بلا گھما سکتے ہیں، آخری اوور تک افغانستان کا سکور 139 تھا، سری لنکن کپتان کو علم تھا کہ وہ صرف بلا گھمانے گا، اس لئے کسی سینئر کھلاڑی کی بجائے نوجوان باولر ڈینتھ ویللا گی کو گیند تھما دی جو بائیں ہاتھ سے اسپن باولنگ کرتے ہیں، آخری اوور تھا، محمد نبی نے وہی کچھ کیا جو ایسے مواقع پہ ہر کھلاڑی کرتا ہے، وہ بلا گھماتے ہیں وہ ان کا دن تھا گیند بلے پہ آتی رہی اور انہیں چھکے پہ چھکا ملتا رہا، وہ 6 گیندوں میں سے پانچ پر چھکے لگانے میں کامیاب رہے۔

بات یہی ختم نہیں ہوئی
پکچر ابھی باقی ہے میرے دوست

سری لنکا میں ڈینتھ ویللا گی کے گھر والے ٹی وی پر براہ راست میچ دیکھ رہے تھے، وہ اپنے بیٹے کو ٹی وی پہ باولنگ کرتے ہوئے دیکھ کر پھولے نہیں سما رہے تھے،، محمد نبی نے پہلا چھکا لگایا تو ڈینتھ کے والد کو بہت غصہ آیا، دوسرے چھکے پر اس کو کچھ تکلیف ہوئی، تیسرے چھکے نے تکلیف میں اضافہ کر دیا، چوتھے پر یہ تکلیف زوروں پر تھی، اور پانچویں چھکے ہر دل نے کام ہی بند کر دیا اور ڈینتھ کا والد مزید برداشت نہ کر سکا اور دنیا۔ سے کوچ کر گیا۔ کرکٹ شائقین سے درخواست ہے کہ کھیل کو کھیل کے طور پر لیں، کھانا چھوڑ دینا، ٹی وی توڑ دینا اور دل کے دورے پڑ جانا، ہم ایشیائی لوگوں کی حماقت کے علاوہ کچھ نہیں، کرکٹ گوروں کی ایجاد ہے اور صرف ان ممالک میں کھیلی جاتی ہے جو ایک زمانہ میں برطانیہ کی کالونی تھے، سادہ الفاظ میں جو انگریزوں کے غلام تھے، کبھی کسی انگریز، آسٹریلوی، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ کے کسی باشندہ نے ان کی ٹیموں کے ہارنے پر ٹی وی نہیں توڑا، نہ کسی کے گھر میں کسی کو دل کا دورہ پڑا ہے، انگلینڈ کے کھلاڑی اسٹیورٹ براڈ کو 2007 کے پہلے ٹی ٹونٹی ورلڈ کپ میں انڈین کھلاڑی یوراج سنگھ نے 6 گیندوں پر 6 چھکے لگائے، اسٹیورٹ براڈ کے والد کرس براڈ، جو خود بھی ٹیسٹ کرکٹر تھے بالکل صحیح سلامت رہے تھے، یہ بات برصغیر کے جذباتی لوگوں کو سمجھ لینی چاہئیے میچ تو کبھی نہ کبھی جیت ہی لیں گے، ٹوٹے ہوئے ٹی وی کی مرمت بھی ہو جائے گی لیکر جو دنیا سے چلے جاتے ہیں، وہ کبھی واپس نہیں آسکیں گے۔

جان من ـ ـ ـ دو من ـ ـ ـ ـ ـ ـ طنز و مزاح

تحریر: محمد عمر، کویت

کویت میں ایک صاحب، پاکستانی فلموں کے بہت شوقین ہیں، وہ فیس بک پر پاکستانی فلمی اداکاراوں خاص طور پر ماضی کی ایک ہیروئین انجمن، کوکم ازکم پاکستانی فلمی دُنیا کی حور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے انجمن کو کبھی روبرو دیکھا نہیں، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ لوگ جن فنکاروں کے پرستار ہوتے ہیں، زندگی میں کبھی ان کی ایک جھلک تک نہیں دیکھی ہوتی، ان کی تحریریں پڑھ کر بندہ ناچیز ماضی میں پہنچ گیا اور 1990 کے دن یاد آ گئے، کویت پر عراق کے غاصبانہ قبضہ کے باعث واپس پاکستان پہنچ گئے تھے، ان ہی دنوں 25 دسمبر 1990 کو لاہور سے روزنامہ، پاکستان کا اجراء ہوا تھا , تھوڑی کوشش اور سینئر صحافیوں واجد علی واجد مرحوم اور سعید صفدر مرحوم، جو کویت میں سینئر صحافی تھے، کی سفارش سے روزنامہ پاکستان میگزین سیکشن میں ملازمت مل گئی، جمعہ میگزین میں کبھی کبھار ٹوٹی پھوٹی تحریر بھی لکھا کرتا تھا، ان دنوں اداکارہ انجمن پاکستانی فلموں کی مصروف ترین ہیروئین تھیں، ہر دوسری فلم کی ہیروئین انجمن ہی ہوتی تھیں، انجمن کی ایک فلم ریلیز ہوئی تھی، جان من، فلم کا پریمیر شو، غالبا گلستان سینما تھا، ایڈیٹر اکبر بھٹی مرحوم کی طرف سے بندہ کی ڈیوٹی لگا دی گئی، فلم دیکھنے کے بعد، مجھے جو سوجھا، وہ میں نے ایک کالم کی شکل، میں لکھ دیا، اگلے دن صبح گیارہ بجے، مادام کی ہمارے اخبار کے مالک اکبر بھٹی صاحب کی کال آ گئی، میری بدقسمتی کہ انجمن کا Back ground, ملتان سے تھا اور اکبر بھٹی مرحوم وہاڑی سے ایم این اے، تھے، دونوں کی پرانی جان پہچان تھی۔ اس وقت مادام شدید غصے میں تھی، اکبر بھٹی مرحوم فون سن کر مادام کے ساتھ ہاں میں ہاں بھی ملا رہے تھے اور مسکرا بھی رہے تھے، خیر مجھے جان بچانے کیلئے معذرت کرنے کے ساتھ، اگلے روز نوٹ لکھنا پڑا، کہ میرا مقصد صرف مزاح پیدا کرنا تھا، اگر مادام انجمن یا ان کے چاہنے والوں کی دل شکنی ہوئی ہو تو معذرت کرتا ہوں، لیکن میں صحافت میں ابھی نیا تھا، مجھے نہیں پتہ تھا کہ مادام کے شور مچانے سے اس کالم کو پڑھنے والوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوجائے گا، سب سے دلچسپ امر یہ ہوا کہ ہمارے شہر کے ایک دوست (وجہ مجبوری ان کا نام نہیں لکھ رہا) انکم ٹیکس میں افسر تھے اور انجمن کے شوہر مبین ملک کے کولیگ تھے، وہ چھٹی کے بعد جیل روڈ، ہمارے دفتر آ گئے، ہمیں نہیں پتہ تھا کہ ان دنوں انجمن کے شوہر کے ساتھ تعلقات بہت خراب ہو چکے ہیں (بعدازاں ان کی طلاق بھی ہوگئی تھی) انہوں نے کہا کہ وہ خاص طور پر مبین ملک کے کہنے پر مجھ سے ملنے آئے تھے، میں تو ڈر گیا کہ مبین ملک ایک بہت بڑا آدمی، وہ کچھ غلط ملط کرنا چاہتا ہوگا، وہ تحریر پڑھنے کے بعد

غالبا میرے دوست نے کہا کہ وہ نہ صرف مجھے جانتا ہے بلکہ ہم محلّہ دار بھی ہیں، تو مبین ملک نے پوچھا کہ تمہارا دوست اگر Math میں بہت کمزور ہے تو اس کو جا کر بتاؤ کہ 200 کلوگرام میں پانچ من ہوتے ہیں، تم نے کیسے لکھ دیا، جان من،،، دو من، تمہیں لکھنا چاہئے تھا، پنج (پانچ) من، تو میں نے کہا کہ مبین ملک صاحب کو بتانا کہ دو من لکھنے پر مادام سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہی ہیں، پنج من پر تو جان سے ہی مار دیتیں، اور جان من، میری جان ہی لے لیتیں۔ اس کالم کا فائدہ یہ ہوا کہ اسٹوڈیو میں، جان پہچان بہت بڑھ گئی، ایک مرتبہ ہدایت کار جاوید فاضل مرحوم کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے ساتھی، ہدایت کار حسنین بھی وہیں پر آ گئے، تو انہوں نے بڑے پیار سے کہا،، اے اوہ منڈا اے جنے انجمن نوں دو من لکھیا سی،، (یہ وہ لڑکا ہے جس نے انجمن کو دو من لکھا تھا، 35 سال پہلے میں لڑکا ہی تھا) یہ میری خوش قسمتی کہ مادام انجمن مجھے صورت سے نہیں پہچانتی تھیں، اور مجھے اس وقت بھی اپنی تصاویر شائع کرنے کی عادت نہیں تھی، اس لئے ایک دو بار اسٹوڈیو میں آمنا سامنا بھی ہوا لیکن ان کو نہیں پتہ تھا کہ ان کو دو۔ من لکھنے والا میں ہی ہوں، ان کے ہیرو آغا صاحب (سلطان راہی) سے جب بھی اسٹوڈیو جاتے ملاقات ضرور ہوتی تھی کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا جب سلطان راہی کی شوٹنگ نہیں ہوتی تھی، اس دور میں پنجابی فلمیں پی بنتی تھیں اور پنجابی فلموں کے ہیرو سلطان راہی ہوتے تھے یا علی اعجاز، اور دونوں کی ہیروئین انجمن ہی ہوتی تھیں، یہ بھی کیا دور تھا کہ 6 فٹ 3 انچ کی انجمن، جس کا وزن 180 کلوگرام سے کم نہ تھا کا ہیرو علی اعجاز جس کا قد 5 فٹ دو انچ اور وزن 70 کلوگرام، حیرانگی اس بات کی پے کہ ان کی فلمیں سالا صاحب اور صاحب جی مسلسل دو دو سال چلتی رہی ہیں، سلطان راہی اور انجمن کا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی لکھا گیا کہ یہ دنیا بھر میں واحد فلمی جوڑی ہے جس نے 100 سے زائد فلموں میں بطور ہیرو، ہیروئین کام کیا، پتہ نہیں لوگ دلیپ کمار مدھو بالا کی جوڑی کو کیوں برصغیر کی سب سے کامیاب جوڑی قرار دیتے ہیں انہوں نے تو صرف 6 فلموں میں اکٹھے کام کیا تھا، شاہ رخ اور ایشوریہ نے صرف دو فلموں میں اکٹھے کام کیا، پھر کیا ہونا تھا۔

پاکستانی فلم سازوں کو صائمہ کی صورت میں ایک نئی ہیروئین مل گئی، جو انجمن کی نسبت آدھے وزن کی مالک تھیں، یہ پاکستانی فلموں کی شان کہ 90، سو کلوگرام کی ہیروئین سمارٹ سمجھی جاتی تھیں، 90 کی دہائی کے آغاز میں ہی انجمن فلموں سے غائب ہوگئیں، مگر کہیں کہیں ان کے Fans موجود ہیں، انجمن انجمن ہے کہ نام سے پوسٹ دیکھ کر ماضی کے دریچوں میں کھو گیا، پوسٹ کے ایڈمن سے گزارش ہے کہ،، انجمن انجمن تھی،، کے نام سے پوسٹ لگائیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

Rooh Afza
چل
Chal
میرے
Mere
لال
Laal
Hamdard
WELLNESS TO
WELLBEING